ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
www.tanzeem.org
10
6 تا 12 مارچ 2012ء / 12 تا 18 ربیع الثانی 1433ھ

مقصد حیات

اسلام نے انسان کو دنیا میں خدا کا نائب قرار دیا ہے اور اس کی زندگی کا مقصد یہ متعین کیا ہے کہ جس آقا کا وہ نائب ہے' اس کی خوشنودی حاصل کرے۔ یہ مقصد چونکہ عین اس کی زندگی کا مقصد ہے' اس لیے ضروری ہے کہ اس کی زندگی کے تمام اعمال کا رخ اسی مقصد کی طرف پھر جائے۔ اس کے نفس اور اس کے جسم کی تمام قوتیں اسی مقصد کی راہ میں صرف ہوں۔ اس کے خیالات وتصورات اور حرکات و سکنات پر اسی مقصد کی حکومت ہو۔ اس کا جینا اور مرنا' اس کا سونا اور جاگنا' اس کا کھانا اور پینا' اس کے معاملات اور تعلقات' اس کی دوستی اور دشمنی' اس کی معیشت اور معاشرت' غرض اس کی ہر چیز اسی ایک مقصد کے لیے ہو۔ اور یہ مقصد اس کے اندر اس طرح ساری و جاری ہو جائے کہ گویا وہی اس کی وہ روح ہے جس کی بدولت وہ زندہ اور متحرک ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جو شخص اپنی زندگی کا یہ مقصد رکھتا ہو اور اسی مقصد کے لیے زندہ ہو' وہ اس شخص کی طرح زندگی بسر نہیں کرسکتا جس کے پیش نظر کوئی مقصد نہ ہو' یا اگر ہو بھی تو اس مقصد سے مختلف ہو۔ یہ مقصد تو اپنی عین فطرت کے اعتبار سے انسان کو ایک عامل اور کارکن ہستی میں تبدیل کر دیتا ہے۔ ایسا عامل اور کارکن جو زندہ ہے صرف اس لیے کہ اپنی زندگی کے مقصد کو حاصل کرے۔

اسلامی تہذیب اور اُس کے اصول ومبادی
سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

اس شمارے میں

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

غلبہ دین حق کا مشن اور ہماری ذمہ داری

مشرقی پاکستان کے بعد بلوچستان کی علیحدگی کی کوششیں

پاکستان، ایران اور افغانستان کے سربراہی اجلاس کے موضوع پر خلافت فورم میں مذاکرہ

حل کیا ہے؟

ذرا سوچیے!

انجمن خدام القرآن خیبر پختون خوا کے زیر اہتمام جلسہ سیرت

سورۃ ھود

(آیات 45تا49)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ۝٤٥ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ
اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ۝٤٦ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ
اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝٤٧ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا
وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰۤی اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۭ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝٤٨ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَاۤ
اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝٤٩

’’اور نوحؑ نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ پروردگار! میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں میں ہے (تو اس کو بھی نجات دے) تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بہتر حاکم ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ نوح وہ تیرے گھر والوں میں نہیں ہے۔ اس کا عمل غیر صالح ہے۔ تو جس چیز کی تم کو حقیقت معلوم نہیں اس کے بارے میں مجھ سے سوال ہی نہ کرو۔ اور میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ نادان نہ بنو۔ نوحؑ نے کہا پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی چیز کا تجھ سے سوال کروں جس کی مجھے حقیقت معلوم نہیں۔ اور اگر تو مجھے نہیں بخشے گا اور مجھ پر رحم نہیں کرے گا تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔ حکم ہوا کہ نوحؑ ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ (جو) تم پر اور تمہارے ساتھ کی جماعتوں پر (نازل کی گئی ہیں) اتر آؤ۔ اور کچھ اور جماعتیں ہوں گی جن کو ہم (دنیا کے فوائد سے) محظوظ کریں گے پھر ان کو ہماری طرف سے عذاب الیم پہنچے گا۔ یہ (حالات) من جملہ غیب کی خبروں کے ہیں جو ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں (اور) اس سے پہلے نہ تم ہی ان کو جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم (ہی ان سے واقف تھی) تو صبر کرو کہ انجام پرہیزگاروں ہی کا (بھلا) ہے۔‘‘

نوح علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا اور کہنے لگے اے میرے پروردگار! میرا بیٹا میرے اہل میں سے تھا اور تیرا وعدہ تھا کہ میرے اہل کو بچا لے گا۔ اور تیرا وعدہ سچا ہے اور یقیناً تو سب حاکموں سے بڑا منصف اور سب سے بڑا عادل حاکم ہے۔ اللہ نے جواب دیا: اے نوحؑ، وہ تمہارے اہل میں سے نہیں۔ اِس کے اعمال، اس کا کردار، اس کے عقائد و نظریات غیر صالح ہیں۔ تو اب مجھ سے ان چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو جن کے بارے میں تمہارے پاس علم نہیں ہے، اور میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم جاہلوں میں سے نہ ہو جانا۔ یہاں یاد کر لیجیے کہ سورۃ الانعام کی آیت 35 میں حضور ﷺ سے کہا گیا تھا: ﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ۝﴾ یہ سخت ترین الفاظ یا تو حضور ﷺ سے فرمائے گئے تھے یا پھر یہاں یہ حضرت نوح علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے آئے ہیں۔ شیعوں کے نزدیک نوح علیہ السلام کی بیوی زانیہ تھی اور یہ بیٹا حضرت نوح علیہ السلام کے صلب سے نہ تھا، مگر اہل سنت اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ سورۂ نور میں یہ قاعدہ بتا دیا گیا ہے کہ نیک مردوں کے لیے نیک بیویاں ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا، اے میرے پروردگار! میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں اس سے کہ میں تجھ سے ایسی بات کا سوال کروں جس کے لیے میرے پاس کوئی علم نہیں اور اگر تو نے مجھے معاف نہ فرمایا اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں خسارہ پانے والوں میں ہو جاؤں گا۔ نوح علیہ السلام سے کہا گیا، اب اترو اس کشتی سے ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ جو تم پر بھی ہوں گی اور ان امتوں پر بھی ہوں گی جو ان کی نسل سے وجود میں آئیں گی۔ عام خیال یہی ہے کہ بعد کی نسل انسانی حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں ہی سے چلی ہے۔ باقی نوح علیہ السلام کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے تو ان کی کوئی نسل آگے نہیں چلی، بلکہ جو نسلیں اس وقت دنیا میں ہیں وہ حضرت یافث، حضرت سام اور حضرت حام ہی میں سے ہیں (واللہ اعلم)۔ اور کچھ اور قومیں بھی ہوں گی جنہیں ہم دنیا کا کچھ سامان دیں گے اور پھر ہماری طرف سے ایک بڑا عذاب آئے گا جیسا کہ پھر قوم ھود پر اور قوم صالح پر آیا۔ اب نبی اکرم ﷺ سے خطاب ہے کہ اے نبی یہ باتیں غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپؐ کی طرف وحی کر رہے ہیں۔ اور اس سے پہلے نہ آپ اور نہ آپ کی قوم کے لوگ ان سے واقف تھے۔ تو آپ ان لوگوں کی باتوں پر صبر کیجیے، یقیناً آخری انجام اہل تقویٰ کا ہی بھلا ہو گا۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

میں اور میری اُمت

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ أُمَّتِيْ كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا فَجَعَلَتِ الدَّوَابُّ وَالْفَرَاشُ يَقَعْنَ فِيهِ فَأَنَا آخِذٌ بِحُجَزِكُمْ وَأَنْتُمْ تَقَحَّمُوْنَ فِيهِ)) (صحيح مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’میری مثال اور میری امت کی مثال اس آدمی کی طرح ہے کہ جس نے آگ جلائی ہوئی ہو اور سارے کیڑے مکوڑے اور پتنگے اس میں گرتے چلے جا رہے ہوں اور میں تمہاری کمروں کو پکڑے ہوئے ہوں اور تم بلا سوچے اندھا دھند اس میں گرتے چلے جا رہے ہو۔‘‘

اداریہ

حافظ عاکف سعید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہے جُرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات!

گزشتہ دنوں کابل میں امریکہ اور نیٹو کے فوجیوں کے ہاتھوں قرآن حکیم کے مقدس نسخوں کی بے حرمتی کا ایک اور دل فگار واقعہ پیش آیا۔ ایک اطلاع کے مطابق سینکڑوں نسخے نذرِ آتش کیے گئے اور اس طرح مسلمانوں کے دلوں کو زخمی کرنے' بلکہ ان کے زخمی دلوں پر نمک پاشی کا ایک بار پھر سامان کیا گیا' جس کے نتیجے میں افغانستان کے غیرت مند عوام نے امریکہ کے خلاف بھرپور احتجاجی مظاہرے کیے اور اس واقعے کے ذمہ داران کو قرار واقعی سزا دینے کا مطالبہ بڑی قوت کے ساتھ کیا۔ ان مظاہروں کا سلسلہ تاحال جاری ہے۔ عوامی مطالبوں میں اس امر پر بھی زور دیا جا رہا ہے کہ امریکہ اسلام اور مسلمانوں کا دشمن ہے اور اسے فی الفور افغانستان سے نکل جانا چاہیے۔ احتجاجی مظاہروں کا یہ سلسلہ پاکستان میں بھی جاری وساری ہے۔

قرآن پاک کے مقدس نسخوں یا اوراق کی بے حرمتی کا یہ واقعہ بلاشبہ بدترین ذہنی پستی اور اخلاقی دیوالیہ پن کا مظہر ہے' تاہم یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے۔ اسی طرح نبی آخر الزماں رحمت للعالمین ﷺ کے توہین آمیز خاکے بنا کر مسلمانوں کو ذہنی وقلبی اذیت سے دوچار کرنے کے واقعات بھی اپنے پیچھے ایک تاریخ رکھتے ہیں۔ نائن الیون کے بعد اسلام دشمن عناصر کی جانب سے ایسے واقعات بار بار دہرائے جا رہے ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے یہ نام نہاد مہذب لوگ جوان واقعات کے ذمہ دار ہیں اور وہاں کے عوام کی وہ بڑی تعداد جو ان دریدہ دہن لوگوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں' اسلام سے شدید بغض وعداوت کے اظہار میں ذہنی واخلاقی پستی کی اس انتہا کو پہنچ چکے ہیں کہ ان پر قرآن حکیم کے یہ الفاظ راست آتے ہیں کہ ﴿ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ﴾۔ قرآن پاک اور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ توہین واستہزاء کے نت نئے طریقے اختیار کرنے والے اس ننگِ انسانیت طبقے کی پشت پر اصل کارفرما ذہن یہود کا ہے' جو اگرچہ ایک وقت میں اس کرۂ ارضی پر اللہ کی نمائندہ امت کا درجہ رکھتے تھے لیکن آج وہ شیطان کے سب سے بڑے اتحادی ہیں اور اللہ کی نگاہ میں ''مغضوب علیہم'' ہیں۔ یہود نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی اُمت سے اسی طرح کا شدید بغض رکھتے اور حسد کرتے ہیں جیسا کہ بغض اور حسد ابلیس لعین کو حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت سے تھا۔ چنانچہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت سے ہی اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی سرتوڑ کوششیں اور سازشیں شروع کر دی تھیں۔ پوری عیسائی دنیا اس معاملے میں آج یہود کی ہمنوا اور معاون بن چکی ہے۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ نصاریٰ یا عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان تو لائے تھے لیکن بہت جلد ان کی عظیم اکثریت توحید سے منحرف ہو کر بدترین شرک کا شکار ہو گئی' چنانچہ قرآن کی نگاہ میں وہ ''ضالین'' ہیں یعنی راہِ حق سے منحرف ہونے والے' پٹڑی سے اترے ہوئے لوگ! — اور اسلام دشمنی میں اب یہ دونوں ﴿بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ کا مصداق ہیں' یعنی یک جان دو قالب!

ہمارے نزدیک اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ آج یہود ونصاریٰ اتنی گھٹیا حرکتوں پر کیوں اتر آئے ہیں' اصل تشویش ناک امر یہ ہے کہ ہم اتنے کمزور' بے بس اور لاچار کیوں ہو گئے ہیں کہ ان کی دریدہ دہنی اور ان گھٹیا حرکتوں پر جو ہمارے لیے انتہا درجے کی ذہنی وقلبی اذیت کا موجب ہوں' سوائے کچھ مظاہرے کرنے اور نعرے لگانے کے اور کچھ بھی نہ کر پائیں — اور یہ اخلاقی اعتبار سے مسخ شدہ لوگ ہماری کمزوری اور لاچاری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہر دوسرے روز قرآن حکیم کے نسخوں اور اوراق کے ساتھ نہایت توہین آمیز رویہ اختیار کرتے اور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مقدس کو تمسخر واستہزاء کا نشانہ بنانے کی خاطر اپنی گھٹیا ذہنیت کا بار بار مظاہرہ کرتے رہیں — ہمارے

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان' نظامِ خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

بانی: اقتدار احمد مرحوم

6 تا 12 مارچ 2012ء — جلد 21
12 تا 18 ربیع الثانی 1433ھ — شمارہ 10

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

نگرانِ طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد' **طابع:** رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور-54000
فون: 36316638-36366638 فیکس: 36271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقامِ اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور-54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک ...... 450 روپے
بیرونِ پاکستان
انڈیا ---------------------- (2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر ''مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

نزدیک نہ تو قرآن حکیم کی عظمت و تقدس میں ان اوچھی حرکتوں کی وجہ سے کوئی کمی آ سکتی ہے اور نہ نبی اکرم ﷺ کی رفعت شان میں کوئی رتی برابر کمی واقع ہو سکتی ہے —— ہاں ان تکلیف دہ واقعات کے ذریعے اصل رسوائی ہماری ہو رہی ہے۔ اللہ کے دین سے بے وفائی اور اپنے فرائض منصبی سے غداری کے نتیجے میں آج یہ امت اللہ کی رحمت و نصرت سے محروم ہو کر معنوی طور پر نہایت کمزور اور لاغر ہو چکی ہے، اور ؎

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات!

یہ بات سمجھ لینے کی ہے کہ صرف مظاہرے کرتے رہنا مسئلے کا حل نہیں ہے۔ ہمارا دشمن نہایت ڈھیٹ واقع ہوا ہے۔ اس کی ذہنیت مسخ ہو چکی ہے۔ ہمیں زیادہ سے زیادہ ذہنی اذیت دینے سے اسے خوشی حاصل ہوتی ہے —— ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمانوں کے مخلص اور باشعور طبقات سر جوڑ کر بیٹھیں اور غور کریں کہ ؎

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں!

ہم آج 160 کروڑ ہونے کے باوجود اتنے کمزور اور لاچار کیوں ہیں؟ اللہ کی رحمت اور نصرت سے محروم کیوں ہیں؟ اللہ ہم سے ناراض کیوں ہے کہ ساری دنیا میں ذلت و رسوائی ہمارے حصے ہی میں آئی ہے' اور ظلم و ستم کے پہاڑ ہر جگہ مسلمانوں پر ہی کیوں ٹوٹ رہے ہیں؟ غور کریں گے تو ان سوالات کے جوابات حاصل کرنا چنداں مشکل نہیں۔ قرآن و سنت میں کامل رہنمائی موجود ہے۔ سورۃ محمدؐ کی اس ایک آیت پر ہی غور کر لیں تو سارا حل موجود ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ⑦﴾ —— یعنی ہم اگر اللہ' اُس کے رسولؐ اور اُس کے دین کے وفادار بن کر اُس کے دین کو قائم و غالب کرنے والے بن جائیں تو پھر اللہ کی مدد اور نصرت یقینی طور پر ہمارے شاملِ حال ہو جائے گی —— اور پھر ہم اپنے ان دریدہ دہن دشمنوں کو جو قرآن حکیم اور نبی اکرم ﷺ کی شان میں بار بار گستاخیاں کر کے ہمیں شدید ذہنی اذیت سے دوچار کرتے ہیں' وہ سزا دینے کے قابل ہو سکیں گے جو قرار واقعی ہو اور ساری دنیا کے لیے عبرت کا سامان بن سکے۔ اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِهٰذَا!

☆☆☆

بیابہ مجلس اسرار

دین کیا ہے؟

لفظ ''دین' پر توجہ کو مرکوز کیجئے۔ عربی لغت میں اس کا اساسی مفہوم بالکل وہی ہے جس میں یہ لفظ ''اساسُ القرآن'' یعنی سورۃ فاتحہ کی تیسری آیت میں مستعمل ہوا ہے یعنی بدلہ (جو لامحالہ نیکی کا جزا کی صورت میں ہوگا اور بدی کا سزا کی شکل میں)۔ چنانچہ قرآن حکیم کی ابتدائی سورتوں میں یہ لفظ بغیر کسی اضافی یا توصیفی ترکیب کے اپنی سادہ ترین صورت میں بدلے اور جزا و سزا ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جیسے: ﴿اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُكَذِّبُ بِالدِّیْنِ①﴾ (الماعون) ''تم نے دیکھا اسے جو جھٹلاتا ہے جزا و سزا کو'' ﴿فَمَا یُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ⑦﴾ (التین) ''تو اس کے بعد کیا چیز آمادہ کرتی ہے تجھے جزا و سزا کے جھٹلانے پر؟'' ﴿كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ⑨﴾ (الانفطار) ''کوئی نہیں، بلکہ تم جھٹلاتے ہو جزا و سزا کو!'' اور سورۃ الفاتحہ کے علاوہ مختلف مقامات پر بارہ مرتبہ آیا ہے یہ لفظ 'یوم' کی اضافت کے ساتھ یومِ قیامت کے معنی میں یعنی بدلے یا جزا و سزا کا دن!

پھر چونکہ بدلے اور جزا و سزا کا تصور لازماً مستلزم ہے کسی قانون اور ضابطے اور اُس کی اطاعت و متابعت کے تصور کو، لہٰذا لفظِ 'دین' نے بھی جب اپنی اصل لغوی اساس سے اُٹھ کر قرآنی اصطلاح کی صورت اختیار کی تو اس میں اولاً اطاعت کا مفہوم پیدا ہوا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں دو مرتبہ ''مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ'' اور ایک بار ''مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ'' اور چھ مرتبہ ''مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ'' کے الفاظ اطاعت اور بندگی و فرمانبرداری کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لینے ہی کے مفہوم میں آئے ہیں جن میں مزید زور اور تاکید کے لیے کہیں کہیں اضافہ کیا جاتا ہے ''حَنِیْفًا'' یا ''حُنَفَآءَ'' کے الفاظ کا۔ اور یہی مفہوم ہے قرآن حکیم کے ان الفاظ مبارکہ کا کہ: ''اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ'' (الزمر:3) اور ''وَلَهُ الدِّیْنُ وَاصِبًا'' (النحل:52) —— اور بالآخر اس نے 'نظامِ اطاعت' کی صورت اختیار کر لی جس کی اضافتِ حقیقی تو اس ذات کی طرف ہوتی ہے جسے مطاع مان کر نظامِ زندگی کا تفصیلی ڈھانچہ اور ضابطہ تیار کیا گیا ہو جیسے سورۃ یوسف میں فرمایا:

﴿كَذٰلِكَ كِدْنَا لِیُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ﴾ (یوسف:76)

''اس طرح ہم نے تدبیر کر دی۔ یوسفؑ کے لیے ورنہ بادشاہ کے قانون کی رُو سے وہ مجاز نہ تھے کہ اپنے بھائی کو روک سکتے۔''

گویا مصر کے اس دور کے رائج الوقت نظامِ ملوکیت کو جس میں مطاعِ مطلق کی حیثیت بادشاہ یا 'مَلِک' کو حاصل تھی قرآن حکیم ''دین الملک'' سے تعبیر کرتا ہے۔ اور ٹھیک اسی مفہوم (Sense) میں قرآن مجید نے استعمال کیے ہیں ''دِیْنِ اللّٰه'' کے الفاظ سورۃ النصر میں۔ گویا آنحضور ﷺ کی بیس سال سے زائد جدوجہد کے نتیجے میں جب عرب میں یہ صورتِ حال پیدا ہو گئی کہ اللہ ہی کو مطاعِ مطلق مان لیا گیا اور لوگ جوق دَر جوق اور گروہ در گروہ اس کے نظامِ اطاعت میں داخل ہوتے چلے گئے تو اسے قرآن مجید نے ''دِیْنِ اللّٰه'' کے الفاظ سے تعبیر کیا —— (اور اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ہرگز غلط نہ ہوگا اگر دورِ جدید کے محبوب و مقبول طرزِ حکومت یعنی جمہوریت کو جس میں غلط یا صحیح بہرحال نظری طور پر حاکمیت کے حامل قرار دیے جاتے ہیں جمہور تعبیر کیا جائے 'دِیْنُ الْجُمْهُوْر' کے الفاظ سے!)

حاصل کلام یہ ہے کہ ''دین الحق'' سے مراد ہے ''دِیْنُ اللّٰه'' یعنی وہ نظام زندگی جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کُلی و مطلقہ کی بنیاد پر قائم ہو اور یہ دراصل خاتم النبیین و آخر المرسلین ﷺ کو عطا شدہ اتمامی و تکمیلی صورت ہے اس ''اَلْمِیْزَان'' کو جو تاریخ انسانی کے مختلف ارتقائی مراحل پر قدرے مختلف صورتوں میں عطا ہوتی رہی تھی سابق رسولوں کو عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ! —— اور اس اعتبار سے اس کی حیثیت ہے اس 'نظامِ عدلِ اجتماعی' کی جس میں ہر ایک کے حقوق و فرائض کا صحیح صحیح تعین کر دیا گیا ہے ''تاکہ لوگ قائم رہیں اس نظام قسط پر۔''

غلبۂ دینِ حق کا مشن اور ہماری ذمہ داری

سورۃ الصف کی آیات 9 تا 14 کی روشنی میں

امیر تنظیم اسلامی محترم **حافظ عاکف سعید** حفظہ اللہ کے 24 فروری 2012ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[سورۃ الصّف کی آیات 9 تا 14 کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات! پچھلے دو اجتماعاتِ جمعہ سے نبی اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت کی تکمیلی و امتیازی شان کے حوالے سے گفتگو ہو رہی ہے۔ آپؐ خاتم النبیین بھی ہیں اور آخر المرسلین بھی۔ آپؐ پر آ کر نبوت و رسالت کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ نوعِ انسانی کو قیامت تک کے لیے جو بھی ہدایت و راہنمائی درکار ہو سکتی تھی، آپؐ کے ذریعے وہ رہنمائی عطا کر کے، اُسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیا گیا ہے۔ ہدایت نامے پہلے بھی آتے رہے۔ آپؐ سے پہلے تورات اور انجیل جیسی کتابیں آئیں۔ لیکن اُن کتابوں کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیا گیا، کیونکہ وہ عبوری دور کے لیے تھیں۔ اِسی لیے آج یہ اپنی اصل شکل میں موجود نہیں بلکہ تحریف شدہ ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کو جو کتابِ ہدایت (الہدیٰ) عطا کی گئی، اللہ نے اُس کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ چنانچہ چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود یہ ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے۔ یہ خود اسلام کی حقانیت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ کچھ عرصہ قبل یہودیوں نے ایک سازش کر کے ''الفرقان'' کے نام سے قرآن کا متبادل بنانے کی مذموم کوشش کی۔ کچھ تُک بندی کر کے اُسے لوگوں کے سامنے پیش بھی کیا، مگر انہیں منہ کی کھانی پڑی۔ اُن کی نام نہاد الفرقان کی قطعاً کوئی پذیرائی نہیں ہوئی۔ اِس لیے کہ سارے مسلماں جانتے ہیں کہ یہ قرآن ہی اصل کتابِ ہدایت ہے، جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی۔

حضور ﷺ کو جو مشن دیا گیا تھا، وہ غلبۂ دین کا مشن تھا۔ جس کا ذکر قرآن حکیم میں بایں الفاظ آیا ہے۔

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾ (الصّف)

''وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا، تا کہ اسے اور سب دینوں پر غالب کرے خواہ مشرکوں کو برا ہی لگے۔''

یہاں جو الفاظ ﴿لِيُظْهِرَهٗ﴾ (تا کہ وہ اُسے غالب کر دے) آئے ہیں، اُن کے بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ دین کو اللہ تعالیٰ نے خود غالب کرنا ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ یہ کام حضور ﷺ کا ہے۔ اگرچہ ان الفاظ میں یہ دونوں امکانات موجود ہیں، تاہم جو لوگ دینی جدوجہد کی ذمہ داری سے بچنا چاہتے ہیں، وہ پہلی رائے کا سہارا لیتے ہیں کہ یہ سارا کام اللہ کا ہے، وہی کرے گا۔ حالانکہ ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ ہر کام بالآخر اللہ ہی کے کرنے سے ہوتا ہے۔ سب کچھ اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ ہمیں رزق بھی وہی دے رہا ہے۔ ہماری غذا کا اہتمام بھی وہی کرتا ہے۔ مگر اِس کے لیے بھاگ دوڑ تو ہمیں کرنی پڑتی ہے۔ اِسی طرح دین کو خواہ اللہ نے غالب کرنا ہے یا رسول اللہ ﷺ نے، لیکن یہ مشن تو بہر حال رسولؐ کو دیا گیا ہے۔ آپؐ کو الہدیٰ اور دینِ حق دے کر بھیجا گیا اور یہ اللہ کا فیصلہ تھا کہ دینِ حق آپؐ کے ذریعے ہی غالب و قائم ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ دین کے لیے محنت سب سے پہلے خود نبیؐ نے فرمائی۔ آپؐ کے بعد یہ محنت آپؐ کے امتیوں کو کرنی ہے جو اللہ پر، اُس کے رسول پر اور اُس کی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ اُن کی دینی ذمہ داری ہے۔ اسی لیے مذکورہ آیت میں اس مشن کا اعلان کرنے کے بعد نجاتِ اُخروی کی شرائط کے طور پر یقینِ قلبی اور غلبۂ دین کے لیے جہاد کا ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ ﴾ (الصّف)

''مومنو! میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں عذابِ الیم سے مخلصی دے۔''

دیکھیے، آسمانی ہدایت کا سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ اُسے اختیار کر کے ہم جہنم کے دردناک عذاب سے بچ جائیں، اس خسارے سے اپنا دامن بچا لیں جو سورۃ العصر کے مطابق پوری نوعِ انسانی کا مقدر ہے۔ اس خسارے سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں دو شرائط بیان کی ہیں۔ یعنی

﴿تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ﴾

''اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو۔''

اگر نجات چاہتے ہو تو تمہیں دو شرائط پر پورا اُترنا ہو گا: ایک پختہ یقین ہے اور دوسری جہاد۔ پختہ یقین کا

مطلب یہ ہے کہ ایمان محض قولی اقرار پر مبنی نہ ہو، بلکہ دل میں جاگزیں ہو اور جب ایمان دل میں جاگزیں ہوگا، اللہ پر، اس کے رسول ﷺ پر اور اُس کی عطا کردہ کتاب پر پختہ یقین پیدا ہو جائے گا تو پھر آدمی کی ترجیحات ہی بدل جائیں گی۔ پہلے اگر دنیا مقدم تھی تو اب آخرت اور دین مقدم ہو جائیں گے اور دنیا کی حیثیت ثانوی ہو جائے گی۔ اگر مقدم دنیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے اندر یقین والا ایمان نہیں ہے۔

عذاب الیم سے چھٹکارا کی دوسری شرط جہاد ہے۔ اگر واقعتاً نجات مطلوب ہے تو پھر اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال کے ساتھ جہاد کرو۔ یہ جہاد اِسی لیے آیا ہے کہ اِس دین کو قائم اور غالب کرنا ہے۔ دین کے لیے تمہیں محنت کرنا ہوگی۔ یہ مشن نبی اکرم ﷺ کو دیا گیا، اِس کے لیے خود رسول اللہ ﷺ نے محنت فرمائی۔ یہ محنت مسلمانوں کو کرنی ہے۔ سورۃ الحدید کی آیت 25 کی روشنی میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ پوٹینشلی یہ بات تمام رسولوں کے مقصد بعثت میں شامل تھی کہ دین کو غالب اور میزان عدل کو نصب کریں۔ میزان اِسی لیے دی جاتی ہے کہ نظام باطل کو جڑ سے اُکھاڑ کر اُس کی جگہ میزان عدل کو نصب کیا جائے، تاکہ سب لوگ عدل و انصاف پر قائم ہو جائیں۔ اور اِس میزان کے مطابق سب کو انصاف ملے۔ اِس کے مطابق فیصلے ہوں۔ باقی اصل فیصلہ تو آخرت میں ہوگا۔ وہاں بھی ایک میزان قائم ہوگی۔ لیکن یہاں دنیا میں بھی میزان قائم کرنا رسولوں کی بعثت کا ایک بنیادی مقصد رہا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جن رسولوں کا تذکرہ قرآن میں بار بار ہوا ہے اُن کی زندگی میں نصب میزان، غلبۂ دین اور اُس کے لیے جہاد (یعنی قتال) کی نوبت نہیں آئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جہاد کا تقاضا کیا تو قوم نے صاف جواب دے دیا کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ رسولوں کی اپنی زندگی میں انقلاب نہیں آیا۔ نبی اکرم ﷺ کا خاص معاملہ یہ ہے کہ آپؐ کے ہاتھوں آپؐ کی زندگی ہی میں یہ کام ہو کر رہا۔ اب اِس نظام کو قائم کرنے کی ذمہ داری آپؐ کے امتیوں کی ہے۔ نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اِس راہ میں بے مثال قربانیاں دیں، جہاد و قتال کے معرکوں سے گزرے، تب جا کر یہ دین قائم ہوا تھا۔ اب ہمیں بھی دین کے لیے جدوجہد کرنی ہوگی اور اِس کے لیے اپنا تن من دھن قربان کرنا ہوگا۔ عام طور پر مسلمان نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ سے آگے ہر چیز کو اضافی نیکی خیال کرتے ہیں کہ اسلام کی بات اِن پر ختم ہو گئی۔ ایسا نہیں ہے۔ غلبۂ دین کی جدوجہد اضافی نیکی نہیں، امت کا مشن ہے۔ یہ عذاب الیم سے چھٹکارے کی لازمی شرط ہے۔ لہٰذا یہ کام ہمیں بہر صورت کرنا ہوگا۔ اس راہ میں اپنی صلاحیتیں، اپنے اوقات کا ایک حصہ اور اپنے اموال لگانا ہوں گے۔ وقت پڑنے پر دین کی سربلندی کے لیے اپنی جان تک کی قربانی پیش کرنی ہوگی کہ یہ نجات اُخروی کا تقاضا ہے۔ امریکہ آج اِسی جہاد و قتال سے خائف ہے۔ چنانچہ وہ قرآن پر پابندی لگانا چاہتا ہے۔ صلیبی و صیہونی انتہا پسند شیطنت کا مظاہرہ کرتے ہوئے قرآن حکیم پر مقدمہ کرتے ہیں، تاکہ قرآن کی دعوت جہاد کا راستہ روک سکیں۔ جب قرآن کا راستہ روکنا ممکن دکھائی نہیں دیتا تو مسلم ممالک کے نصاب تعلیم سے آیات جہاد کو اپنے ایجنٹوں کے ذریعے نکلوایا جاتا ہے۔ اِس لیے کہ اعدائے اسلام کو خطرہ ہے کہ اگر مسلمانوں نے قرآن کی طرف رجوع کر لیا تو انہیں اپنی یہ ذمہ داری یاد آ جائے گی، اور وہ غلبۂ دین کے لیے کمربستہ ہو جائیں گے۔ جن لوگوں کو افغانستان میں یہ ذمہ داری یاد آ گئی تھی دشمنوں نے انہیں کچل دینے کے لیے افغانستان پر حملہ کیا۔ ظاہر ہے، اِس وقت دنیا پر ابلیسیت اور دجالیت کا نظام مسلط ہے۔ اگر کہیں اسلامی نظام قائم ہو گیا اور اُس نے اپنی برکات دکھانا شروع کر دیں تو شیطانی سیکولر نظام کو کہیں منہ چھپانے کی جگہ نہ ملے گی۔ اِسی لیے امریکہ اور اُس کے حواری جہاد و قتال کے دشمن ہیں۔ باقی کوئی کتنا ہی نماز، روزہ اور زکوٰۃ میں لگا رہے، اُس سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔

اِس امت کو جو مشن دیا گیا ہے، وہ دراصل تکمیل نبوت و رسالت کا لازمی نتیجہ ہے۔ آپؐ کا مشن دین حق کا غلبہ تھا، اور آپؐ نے اپنی حیات مبارکہ کے دوران جزیرہ نمائے عرب کی حد تک دین کو غالب فرما دیا تھا۔ لیکن چونکہ آپؐ کی رسالت کل نوع انسانی کے لیے ہے، لہٰذا اس دین کو بالآخر کل روئے ارضی پر غالب آنا ہے۔ جب تک اسلام پورے کرۂ ارض پر غالب نہیں ہو جاتا، تب تک آپؐ کا مشن تکمیلی شان کے ساتھ پورا ہونا باقی ہے۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ﴾ ”اور اُن (کفار) سے قتال کرتے رہو (جنگ جاری رکھو) یہاں تک کہ فتنہ بالکل ختم ہو جائے اور دین کل کا کل اللہ کے لیے ہو جائے۔“ قتال جہاد کا تکمیلی مرحلہ ہے۔ اِس سے پہلے جہاد کے کئی اور مراحل ہیں۔ مکی دور میں یہی مراحل طے ہو رہے تھے۔ اِس دور میں آپؐ دعوت دے رہے تھے۔ لوگوں کو پیغام حق سنا رہے تھے۔ اِس کے ردعمل میں آپؐ کو جن مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، انہیں برداشت کرتے تھے۔ آپؐ کو ساحر و مجنون کہا جاتا، آپؐ کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے۔ آپؐ کے ساتھیوں کو تعذیب و تشدد کا نشانہ بنایا جاتا۔ غلاموں پر انتہائی بہیمانہ تشدد کیا جاتا، لیکن جوابی اقدام کی اجازت نہ تھی، بلکہ حکم تھا کہ ہاتھ بندھے رکھو۔ کیونکہ ابھی جو جہاد ہو رہا تھا وہ قرآن کے ذریعے جہاد تھا اور اِس کا یہی تقاضا تھا۔ یہی جہاد جب آگے بڑھا اور اتنی قوت حاصل ہو گئی کہ باطل کو چیلنج کر کے اور اُسے اکھاڑ کر اللہ کا دین قائم کیا جا سکے تو پھر یہ قتال میں بدل گیا۔ لہٰذا مسلمانوں پر قتال فرض کر دیا گیا: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢١٦﴾﴾ (البقرہ) ”(مسلمانو!) تم پر (اللہ کے راستے میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے۔ وہ تمہیں ناگوار تو ہوگا مگر عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بھلی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے لیے مضر ہو اور (ان باتوں کو) اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“ پس اِس امت پر جہاد و قتال فرض ہے۔ عذاب الیم سے اگر چھٹکارا پانا مطلوب ہے تو پھر اللہ کی راہ میں جان و مال سے یہ جہاد کرنا ہوگا۔ یہ جان و مال ہمارے نہیں، ہمارے پاس اللہ کی امانت ہیں۔ ہم اللہ سے جنت کے عوض اِن کا سودا کر چکے ہیں۔ لہٰذا ہم انہیں اپنی مرضی سے استعمال نہیں کر سکتے، بلکہ اللہ کی مرضی کے مطابق استعمال کرنے کے پابند ہیں۔ اللہ سے جو سودا ہو چکا ہے، اُس کا تقاضا ہے کہ ہم اقامت دین کے لیے جان و مال سے جہاد کریں، اللہ کی راہ میں قتال کریں۔ قتال سے پہلے اگرچہ ہمیں جہاد کے دوسرے مراحل طے کرنے ہیں، لیکن ذہن میں یہ بات ضرور ہونی چاہیے کہ اللہ کرے وہ نوبت بھی آئے کہ ہم نقد جاں بھی اِس راہ میں قربان کر دیں۔ شہادت کی آرزو نہایت ضروری ہے۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

جو شخص اِس حال میں مرگیا کہ نہ تو اُس نے (اللہ کی راہ میں) جنگ کی اور نہ اُس کے دل میں اِس کی آرزو پیدا ہوئی تو وہ ایک درجے میں منافقت کی موت مرا۔"

آیت کے آخر میں فرمایا:

﴿ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑪﴾ (الصف)

"اگر تم سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔"

یعنی بظاہر تو محسوس ہوگا کہ اللہ کی راہ میں اپنی جان، مال اور اوقات لگانا خسارے کا سودا ہے۔ اس طرح ہم دنیا میں دوسروں سے پیچھے رہ جائیں گے۔ ہم نے اپنی اولاد کے لیے سہانے خواب دیکھ رکھے ہیں کہ انہیں اعلیٰ تعلیمی اداروں میں تعلیم دلوانی ہے اور اُن کا مستقبل سنوارنا ہے۔ اگر جہاد و قتال کے راستے پر چلیں گے تو یہ خواب پورے نہ ہو سکیں گے۔ لیکن اللہ نے فرمایا، دیکھو، اگر تم حقیقت کا علم رکھتے ہو تو تمہارا اور تمہاری اولاد کا مستقبل ایمان اور جہاد ہی سے سنورے گا۔ تم اِس دنیا کے چھوٹے مستقبل کے لیے جو بڑا غیر یقینی سا ہے، ہلکان ہوئے جاتے اور سارا وزن اس کے پلڑے میں ڈالا ہوا ہے، حالانکہ اصل مستقبل تمہارا منتظر ہے، اور تم اُس سے غفلت میں پڑے ہو۔ یاد رکھو، اگر تم اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو اللہ کے دین کے لیے وقف کر دو گے تمہارا اصل بھی مستقبل سنور جائے گا، نارِ جہنم سے رہائی مل جائے گی اور اللہ تعالیٰ تمہارے دنیا کے معاملے کو بھی سنبھالے گا۔ تمہارے سارے معاملات سدھرتے اور بگڑے کام بنتے چلے جائیں گے۔

﴿يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑫﴾ (الصف)

"وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو باغہائے جنت میں جن میں نہریں بہہ رہی ہیں اور پاکیزہ مکانات میں جو بہشت ہائے جاودانی میں (تیار) ہیں داخل کرے گا یہ بڑی کامیابی ہے۔"

اللہ کی راہ میں جدوجہد کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔ اِس مشن کو اپنا لیا تو جو کمی کوتاہی رہ گئی، اللہ اُسے معاف فرما دے گا۔ پھر یہ کہ تمہیں دائمی زندگی میں اِن باغات میں داخل فرمائے گا جن کے دامن میں ندیاں اور چشمے رواں ہوں گے۔ تمہیں عمدہ مساکن عطا فرمائے گا۔ تمہارے لیے رہنے کو بہترین جگہیں ہوں گی۔ آج کل جو فارم ہاؤس کا تصور ہے، قرآن حکیم جنت کا کچھ اِسی قسم کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ آخر میں فرمایا کہ مغفرت اور جنت کا مل جانا ہی عظیم کامیابی ہے۔ دنیا کی زندگی تو امتحان ہے۔ یہاں کسی کو دے کر آزمایا جاتا ہے اور کسی سے چھین کر اُس کی آزمائش کی جاتی ہے۔ نہ یہاں کی کامیابی حقیقی ہے اور نہ یہاں کی ناکامی ہی اصل ناکامی ہے۔ بسا اوقات نظر آتا ہے کہ وہ شخص جسے دنیا میں مال و دولت حاصل ہوتی ہے، وہ سکونِ قلب کی متاع سے محروم ہوتا ہے اور جو شخص سکونِ قلب سے محروم ہو اُس کے لیے دنیا کی ہر قسم کی نعمتیں بے معنی ہو جاتی ہیں۔ پھر بھی یہ حقیقت ہے کہ یہاں اگر انسان ارب پتی بھی بن جائے تو کیا کر لے گا، آخر کار اُسے یہ ساری دولت چھوڑ کر جانا پڑے گا۔ یہ دولت اُس کے کسی کام نہ آئے گی، بلکہ پیچھے ورثاء کے لیے رہ جائے گی۔

﴿وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑬﴾ (الصف)

"اور ایک اور چیز جس کو تم بہت چاہتے ہو (یعنی تمہیں) اللہ کی طرف سے مدد (نصیب ہوگی) اور فتح (عن) قریب ہوگی اور مومنوں کو (اس کی) خوشخبری سنا دو۔"

انسان کا اصل مسئلہ نجاتِ اُخروی ہے۔ اللہ کی راہ میں، اُس کے دین کے غلبہ کے لیے جدوجہد کرو گے تو یہ مسئلہ حل ہوگا، تمہیں آخرت میں نجات ملے گی، لیکن اِس کے ساتھ ساتھ ایک اور خیر جو تمہیں بہت پسند ہے —— یعنی دنیا کی کامیابی —— اللہ وہ بھی تمہیں عطا فرمائے گا۔ تم چاہتے ہو کہ اللہ کی مدد آئے اور فتح حاصل ہو جائے۔ دنیا میں ہماری جدوجہد کامیابی سے ہمکنار ہو جائے۔ اور اے نبیؐ آپ مومنین کو بشارت دے دیجیے۔ یعنی تمہیں دینی جدوجہد میں اللہ کی مدد حاصل ہوگی اور جلد فتح حاصل ہو جائے گی۔ یہ سورت سن 5 ہجری میں نازل ہوئی، جس میں اللہ کی مدد آنے اور فتح حاصل ہو جانے کی بشارت دی جا رہی ہے۔ گویا 13 سالہ مکی دور اور 5 سالہ مدنی دور کے بعد جب نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر طرح کی قربانیوں سے گزر گئے، اور آپؐ کی تیار کردہ جماعت نے ثابت کر دیا کہ وہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے وفادار ہیں، تب یہ بشارت آئی ہے۔ چنانچہ غزوۂ احزاب میں نبی اکرم ﷺ نے فرما دیا تھا کہ "اس سال کے بعد اب قریش تم پر حملہ آور نہیں ہو سکتے بلکہ اب تم اُن پر حملہ کرو گے۔"

بہرکیف ہمارے لیے اصل پیغام کیا ہے؟ یہ کہ ہم اللہ کے دین کے غلبہ کی راہ میں اپنا سب کچھ نچھاور کر دیں۔ ثابت کر دکھائیں کہ واقعتاً اللہ اور اُس کے رسول کے وفادار ہیں۔ چنانچہ اگلی آیت میں فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ﴾ (الصف:14)

"مومنو! اللہ کے مددگار بن جاؤ جیسے عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا کہ (بھلا) کون ہیں جو اللہ کی طرف (بلانے میں) میرے مددگار ہوں؟"

اسلام کو تو بہرحال غالب ہونا ہے، لیکن اِس کے لیے بھاگ دوڑ ہم ہی کو کرنی ہے۔ اللہ نے اہلِ ایمان سے فرما دیا کہ تم دین کے غلبہ کے لیے اپنا جان و مال قربان کرو، اپنے اوقات اور صلاحیتیں کھپاؤ۔ تمہارا یہ عمل اللہ کی مدد کے مترادف ہے۔ اللہ کو تو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ وہ تو القوی اور العزیز ہے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے، لیکن اُس نے تمہیں جس امتحان میں ڈالا ہے، اُس کا تقاضا ہے کہ تمہیں آزمائے، یہ دیکھے کہ تم اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ وفاداری کرتے ہو یا اللہ نبی کے دشمنوں کا ساتھ دیتے ہو۔ چنانچہ یہی بات سورۃ الحدید میں بایں الفاظ آئی ہے کہ ﴿وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ﴾ (آیت:25) "اور اس لئے کہ وہ دیکھے کہ کون لوگ بن دیکھے اللہ اور اس کے پیغمبروں کی مدد کرتے ہیں۔" اللہ کی زمین پر طاغوتی دجالی قوتوں کا تسلط ہو تو اللہ کے وفاداروں کا کام ہے کہ اللہ کے باغیوں کی حکومت اور نظام ختم کر کے اللہ کی حکومت قائم کریں، اُس کے قانون و شریعت کو غالب کریں، کہ یہ نبی اکرم ﷺ کا مشن ہے اور نبی ﷺ کے امتی ہونے کے ناتے اب یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ اگر ہم اِس مشن کو آگے بڑھائیں گے تو آپؐ کا مشن تکمیلی شان کے ساتھ پورا ہوگا۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں غلبۂ دین کے نبوی مشن کے حوالے سے اپنی ذمہ داری ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

[مرتب: محبوب الحق عاجز]

☆☆☆

مشرقی پاکستان کے بعد بلوچستان کی علیحدگی کی کوششیں

محمد سمیع

جن حالات میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی عمل میں آئی اگر اُن کا بلوچستان کے آج کے حالات کا موازنہ کریں تو اس میں ہمارے لئے سبق حاصل کرنے کا بہت سامان موجود ہے۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں بظاہر بھارت کا مرکزی کردار تھا جس کی پشت پر روس کا ہاتھ تھا۔ بعد میں یہ حقیقت بھی سامنے آئی کہ امریکہ بھی، جس سے دوستی کا ہم نصف صدی سے زیادہ عرصے سے دعویٰ کرتے چلے آرہے ہیں، بھارت کی پشتیبانی کررہا تھا۔ بلوچستان میں بھی عالمی قوتیں بھارت ہی کو آگے بڑھا رہی ہیں اور اس مرتبہ روس کی بجائے امریکہ کھل کر اس کی پشت پناہی کررہا ہے۔

ہمارے بنگالی بھائیوں کے خلاف تو صرف ایک بار فوجی ایکشن ہوا تھا جو پاکستان کے اس بازو کی حفاظت میں ناکام ہوگیا، لیکن ہمارے بلوچی بھائیوں کے خلاف یہ معاملہ ایک سے زیادہ مرتبہ ہوچکا ہے۔ شائد اسی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے بلوچی علیحدگی پسند غیر بلوچیوں کو مسلسل موت کا نشانہ بنارہے ہیں۔ مشرقی پاکستان میں تو ایسی نوبت اس وقت تک نہیں آئی تھی جب تک ان کے خلاف فوجی ایکشن کا آغاز نہیں ہوا تھا، جو وہاں پہلا اور آخری فوجی ایکشن ثابت ہوا۔ جب بنگالی بھائیوں پر غداری کا الزام لگا تو انہوں نے اسے سنجیدگی سے نہیں لیا کیونکہ ہمارے حکمرانوں کا یہ وتیرہ رہا ہے کہ جو ان کی مخالفت کرے اس پر غداری کا لیبل چسپاں کردیتے ہیں، لیکن فوجی ایکشن نے ان پر الزام کو سند عطا کی تو انہوں نے کہا کہ ہم پر الزام اگر ایسا ہے تو ہم ایسے ہی سہی۔ نتیجتاً وہاں لاکھوں بنگالیوں اور غیر بنگالیوں کا خون بہا۔ پتہ نہیں یہاں کتنے لوگ موت کا شکار ہوچکے ہیں اور نہ جانے کتنے آئندہ ہوں۔ لیکن ہمارے حکمرانوں کو اس کی کبھی پروا نہیں رہی۔ انہوں نے مشرقی پاکستان میں کہا تھا کہ ہمیں لوگ نہیں صرف زمین چاہئے۔ بلوچستان میں ٹارگٹ کلنگ سمیت کیا نہیں ہورہا اور اس کے بھیانک نتائج سامنے آرہے ہیں۔ کراچی میں جہاں ایک بار فوجی ایکشن ہوچکا ہے، ٹارگٹ کلنگ کے نہ جانے کب اور کیا اثرات مرتب ہوں، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

بلوچستان میں صورتحال کی خرابی یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ امریکی کانگریس کی امور خارجہ کمیٹی میں بھی اس پر بحث ہوئی اور اب کانگریس میں بلوچستان کی آزادی کے لیے قرارداد بھی پیش کردی گئی ہے۔ امریکی سفیر کا جن کو ہمارے حکمرانوں کے امریکہ کے ساتھ فدویانہ روش کے تناظر میں امریکی وائسرائے کہا جاسکتا ہے فرمان ہے کہ بلوچستان میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر امریکہ کو تشویش ہے۔ جی ہاں انسانی حقوق کی کچھ خلاف ورزیاں تو یہاں ہوتی ہوں گی، لیکن کوئی انسانی حقوق کے ان چیمپینز سے پوچھے کہ آپ نے ویت نام سے لے کر افغانستان تک بلکہ اس میں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹمی حملے کو شامل کرلیا جائے، لاکھوں انسانوں کا بے دریغ خون بہایا ہے وہ کیا انسانی حقوق کے تحفظ کے لئے بہایا گیا۔ لیکن ان سے پوچھے کون۔ وہ تو بہر حال نہیں پوچھ سکتے جن کا فرمانا ہے کہ ہم نے نیٹو سپلائی انسانی ہمدردی کی بنیاد پر بحال کی ہے۔ پتہ نہیں انسانی ہمدردی کا جذبہ ہم میں کیسے پیدا ہوگیا، جبکہ امریکہ کی جنگ کو اپنی جنگ بنانے کے نتیجے میں ہم نے خود ایک دوسرے کا خون بے دردی سے بہایا ہے چاہے خون بہانے والے ''مبینہ'' انتہا پسند ہوں یا ''مصدقہ'' ملک کا دفاع کرنے والے۔

امریکی کمیٹی کی بلوچستان کے حالات پر بحث اور کانگریس میں پیش کردہ قرارداد پر ہمارا ردعمل بھی محض تحفظات کے اظہار تک محدود رہا۔ ہماری وزارت خارجہ کے ترجمان نے ایک بیان جاری کیا ہے جس میں بلوچستان کو اندرونی معاملہ قرار دیتے ہوئے کانگریس میں پیش کردہ قرارداد کو لاعلمی پر مبنی قرار دیا۔ امریکہ میں ہماری سفیرہ صاحبہ نے فرمایا کہ بلوچستان پر بحث دہشت گردوں کی مدد کے مترادف ہے۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ امریکہ پاکستان توڑنے والوں کو پلیٹ فارم فراہم نہ کرے۔ یہ ہمارے اندرونی معاملے میں مداخلت ہے۔

لیکن اس ساری صورتحال پر ان کی جانب سے ''صرف'' تشویش ہی کا اظہار کیا گیا ہے۔ ارکان سینیٹ نے بھی اس معاملہ پر برہمی کا اظہار کیا۔ قومی اسمبلی میں بھی اس مسئلہ پر قرارداد مذمت منظور کی گئی ہے۔ پارلیمنٹ کی بالادستی کا دعویٰ کرنے والوں نے پارلیمنٹ کی پہلی دو منظور شدہ قراردادوں کا جو حشر کیا ہے، اس تناظر میں اس قرارداد مذمت کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔

قارئین! سیاسی حلقوں کا ردعمل تو آپ نے ملاحظہ فرمالیا۔ اب آیئے، دیکھیں کہ اس بارے میں ہمارے دفاعی ذمہ داران کیا کہتے ہیں۔ دفاعی حکام نے بریفنگ دیتے ہوئے بتایا ہے کہ بلوچستان میں کوئی فوجی آپریشن نہیں ہورہا ہے، یہ محض پروپیگنڈا ہے۔ بلوچ رہنما حبیب جالب کے قتل کی تحقیقات کے بعد جو صورتحال سامنے آئی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بلوچستان میں خرابی کوئی اور کررہا ہے لیکن الزام فوج پر عائد کیا جارہا ہے۔ بلوچستان میں صرف تربت، ڈیرہ بگٹی اور کوہلو وغیرہ کے اضلاع میں عدم استحکام ہے جبکہ صوبے کا بڑا حصہ پرامن ہے۔ حربیار مری اور براہمداغ بگٹی کو مغربی ممالک نے پناہ دی ہے اور مغربی میڈیا پاکستان کے خلاف پروپیگنڈا کررہا ہے۔ بلوچستان میں صرف ایف سی تعینات ہے جو صرف صوبے میں امن وامان کے لئے صوبائی حکومت کی مدد کررہی ہے۔ بلوچستان میں دو گیریژنوں کوہلو گیریژن اور ڈیرہ بگٹی گیریژن کو بند کردیا گیا ہے۔ بلوچستان میں اس وقت سیاسی خلا محسوس کیا جارہا ہے۔ بلوچستان سیاسی مسئلہ ہے، اسے سیاسی بنیادوں پر حل ہونا چاہئے۔

حکومت کا دعویٰ ہے کہ فوج حکومت کے زیر اثر ہے تو عوام کی جانب سے یہ سوال حق بجانب ہے کہ جن اضلاع میں عدم استحکام ہے وہاں فوج کے گیریژن کیوں

بند کر دیئے گئے۔ حالانکہ فوج کو اندرونی امن وامان کے قیام کے لئے حکومت کی جانب سے طلب کیا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مغربی میڈیا پاکستان کے خلاف پروپیگنڈا کر رہا ہے تو یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں۔ مشرقی پاکستان میں فوجی ایکشن کے زمانے میں بھی مغربی میڈیا نے یہی کردار ادا کیا تھا۔ کیا حکومت اس پروپیگنڈے کے توڑ کے لئے ملکی میڈیا سے کام نہیں لے سکتی۔ عجیب اور ناقابل فہم بات یہ ہے کہ خود حکومت کا دعویٰ ہے کہ بھارت سمیت دیگر ممالک بلوچستان میں خرابی کے ذمہ دار ہیں لیکن اس کے باوجود بھارت کو پسندیدہ ترین قوم قرار دے دیا گیا ہے۔ اس کھلے تضاد کے بارے میں کیا کہا جائے۔

دفاعی حکام کا موقف درست ہے کہ بلوچستان سیاسی مسئلہ ہے، اسے سیاسی بنیادوں پر حل کیا جانا چاہئے۔ موجودہ حکومت سمیت ہماری سابقہ حکومتیں بھی اس مسئلہ پر قابو پانے میں ناکام رہی ہیں۔ آیئے، اس ناکامی کی وجوہات پر غور کرتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ انتظامی اقدامات اور فوجی طاقت کے استعمال کے ذریعے وقتی طور پر بہتری تو آسکتی ہے لیکن اس کے پائیدار حل کے لئے ہمیں ان اسباب پر غور کرنا پڑے جن کی بناء پر ایسے حالات پیدا ہوئے ہیں۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی ہو یا بلوچستان کی شورش، بنیادی وجہ عوام میں احساس محرومی کا پیدا ہونا ہے۔ یہ احساس محرومی سیاسی سطح پر بھی ہے اور معاشی سطح پر بھی اور کسی حد تک معاشرتی سطح پر بھی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ عوام کو سیاسی حقوق سے بھی محروم رکھا گیا اور معاشی سطح پر بھی ان کا استحصال کیا گیا اور اب بھی کیا جا رہا ہے۔ اگر ان معاملات میں ان کے ساتھ عدل کا معاملہ کیا گیا ہوتا تو یہ صورتحال پیش نہ آتی۔ عوام کو عدل کی ضمانت موجودہ باطل نظام نہیں دے سکتا کیونکہ اول تو یہ اغیار کا نظام ہے جو ہم نے اختیار کر رکھا ہے۔ ثانیاً اس نظام نے جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور صنعتکاروں کی گرفت ملک پر اتنی مضبوط کر دی ہے کہ انہیں عوام یا عوامی ضروریات کی کوئی پروا نہیں۔ ان کی ترجیح عوام کے مفادات نہیں بلکہ صرف اپنے مفادات ہیں۔ لہٰذا یہ کبھی عدل سے کام نہیں لے سکتے۔ عدل موجودہ نظام نہیں فراہم کرسکتا۔ اِسی وجہ سے مراعات یافتہ طبقہ اِس نظام کی ڈھال بنا ہوا ہے۔ عدل کی فراہمی کا ضامن تو صرف اسلام کا وہ نظام عدل اجتماعی ہے جس کے نفاذ کے لئے ہم نے یہ مملکت حاصل کی تھی۔ جب تک موجودہ نظام کو جڑ سے اکھاڑ کر یہاں خلافت کا نظام نافذ نہیں کیا جاتا لوگوں پر ظلم کا سلسلہ جاری رہے گا اور ہمارا ملک جو پہلے بھی ایک مرتبہ شکست وریخت کے مرحلے سے گزر چکا ہے، اسے آئندہ بھی یہ مراحل پیش آسکتے ہیں (خاکم بدھن)۔ بنگلہ دیش کی آزادی کے بعد اگر بلوچستان کی آزادی کی باتیں ہو رہی ہیں تو کل سندھو دیش اور پختونستان کی آزادی کی بات بھی ہوسکتی ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ یہاں محض چہروں کی تبدیلی نہیں بلکہ نظام کی تبدیلی کے لئے جدوجہد کی جائے۔ اگر ہم نے پاکستان کے قیام کے لئے اسلام کا نعرہ بلند کر کے تحریک چلائی تھی تو آج اسلام کے عملی نفاذ کی تحریک چلانی پڑے گی۔

......❁......

کلامِ اقبال

بیداری

جس بندۂ حق بیں کی خودی ہوگئی بیدار
شمشیر کی مانند ہے برندہ و برّاق!
اُس کی نگہِ شوخ پہ ہوتی ہے نمودار
ہر ذرّہ میں پوشیدہ ہے جو قوتِ اشراق!
اُس مردِ خدا سے کوئی نسبت نہیں تجھ کو
تو بندۂ آفاق ہے، وہ صاحبِ آفاق!
تجھ میں ابھی پیدا نہیں ساحل کی طلب بھی
وہ پاکیٔ فطرت سے ہوا محرمِ اعماق!

پریس ریلیز: 27/ فروری 2012ء

قرآن جلانے والوں اور گستاخانہ خاکے شائع کرنے والوں کے خلاف پاکستان میں ایف آئی آر کا اندراج بہت بڑی کامیابی ہے

انٹرپول کے ذریعے ملزمان کو پاکستان میں لایا جائے اور اُن کو عبرت ناک سزا دی جائے

حافظ عاکف سعید

قرآن جلانے والوں اور گستاخانہ خاکے شائع کرنے والوں کے خلاف پاکستان میں ایف آئی آر کا اندراج بہت بڑی کامیابی ہے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے ایک اخباری بیان میں کہی۔ اُنہوں نے جھنگ کے ایڈووکیٹ محمد زاہد سعید بھٹہ کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ اُن کی انتھک محنت اور آزاد عدلیہ کے جرأت مندانہ فیصلے سے قرآن جلانے والے ٹیری جونز اور حضور ﷺ کے خاکے شائع کرنے والے ڈنمارک کے اخبار کے ایڈیٹر کے خلاف جھنگ کے تھانہ میں 295-C کے تحت مقدمات کا اندراج ہوگیا ہے۔ اب انتظامیہ کا فرض ہے کہ وہ ریڈ وارنٹ جاری کرے اور انٹرپول کے ذریعے ملزمان کو پاکستان میں لایا جائے اور اُن کو عبرت ناک سزا دی جائے۔ اُنہوں نے کہا کہ قانون اور آئین کی عملداری پر یقین رکھنے والے تمام افراد اور اداروں کا فرض ہے کہ وہ حکومت پر دباؤ ڈالیں کہ وہ بھی اپنی ذمہ داری ادا کرے۔ اُنہوں نے کہا کہ اگر دوسرے ممالک پاکستان سے اپنے نام نہاد ملزمان کو واپس لے جاسکتے ہیں تو جنہوں نے امت مسلمہ کے خلاف بدترین جرم کا ارتکاب کیا ہے اُنہیں کیوں پاکستان نہیں لایا جاسکتا۔ اُنہوں نے میڈیا کے ذمہ داران سے بھی اپیل کی کہ وہ یہ مسئلہ بھرپور انداز میں عوام کے سامنے لا کر اپنے جذبۂ ایمانی کا اظہار کریں۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر واشاعت تنظیم اسلامی پاکستان)

پاکستان، ایران اور افغانستان کے سربراہی اجلاس کے موضوع پر خلافت فورم میں مذاکرہ

تجزیہ نگار: ایوب بیگ مرزا

میزبان: وسیم احمد

سوال: پاکستان ایران اور افغانستان کا ایک سربراہی اجلاس اسلام آباد میں منعقد ہوا ہے اِس اجلاس کے اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ پاکستان ایران کے خلاف کسی بھی ممکنہ امریکی جارحیت کی صورت میں امریکہ کا ساتھ نہیں دے گا اور امریکہ کو پاکستان میں فوجی اڈے مہیا نہیں کیے جائیں گے۔ ماضی میں افغانستان پر امریکی جارحیت کے موقعہ پر پاکستان امریکہ کا فرنٹ لائن اتحادی بن گیا تھا۔ کیا اِس پس منظر میں ایران پاکستان پر اعتماد کر سکتا ہے؟

جواب: بہت سے تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ تینوں ممالک کے سربراہوں کا اکٹھے مل بیٹھنا ہی غنیمت ہے۔ ان تینوں ملکوں کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ واقعتاً یہ ایک ایسی بات ہوئی ہے جس کی توقع نہیں تھی۔ جہاں تک افغانستان کا تعلق ہے وہ تو براہِ راست امریکہ کے قبضے میں ہے اور وہاں حامد کرزئی کی کٹھ پتلی حکومت قائم ہے۔ اگرچہ یہ کٹھ پتلی حکومت پنجرے میں پھڑ پھڑا رہی ہے اور حامد کرزئی محسوس کر رہا ہے کہ امریکہ اس کے مفادات کا خیال نہیں رکھ رہا۔ دوسری طرف پاکستان ایک عرصے سے امریکی غلامی میں بندھا ہوا ہے۔ لیکن پاکستان میں ایک تقسیم بہت نمایاں انداز میں سامنے آرہی ہے کہ ہمارے عسکری ذرائع بڑی تیزی سے امریکہ کی غلامی سے نکلنا چاہتے ہیں جبکہ ہماری سول حکومت امریکی سرپرستی میں ہی اپنی عافیت محسوس کرتی ہے۔ ایران کا مسئلہ بھی سب کے سامنے ہے۔ ایران، امریکہ کے حوالے سے اتنا جارحانہ نہیں جتنا نظر آتا ہے لیکن ایران کے حالات پاکستان اور افغانستان سے بہت بہتر ہیں۔ ایران کی یہ خواہش تھی کہ امریکہ کو یہ باور کروایا جائے کہ ایران خطے میں تنہا نہیں اس علاقے میں دوسرے ممالک بھی اس کی حمایت کے لیے تیار ہیں۔ میری نظر میں تینوں ممالک کا سربراہی اجلاس ایک فوٹو سیشن تھا اگرچہ اس کے بھی کچھ مقاصد تھے جو یقیناً حاصل ہوئے ہیں۔ کم از کم امریکہ کو یہ دکھا دیا گیا ہے کہ اب ہم میں اتنی جرأت آگئی ہے کہ ہم اکٹھے بیٹھ کر دکھا سکتے ہیں۔ میری رائے میں فی الحال انھوں نے اکٹھے بیٹھ کر دکھایا ہے۔ امریکہ کو یقیناً یہ پسند نہیں آیا ہوگا آپ نے غور کیا ہوگا کہ 17 فروری کو یہ اجلاس منعقد ہوا ہے اور اسی روز امریکہ نے زبردست ڈرون حملہ کیا ہے جس میں 22 پاکستانی شہید ہوئے ہیں۔ دوسری طرف امریکی کانگریس میں بلوچستان کے حوالے سے قرارداد سامنے آگئی ہے تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امریکہ کو یہ فوٹو سیشن بھی پسند نہیں آیا۔ دوسری طرف فی الوقت ایران کی حکمت عملی بھی یہی ہے کہ وہ دنیا کو دکھائے کہ وہ ابھی مذاکرات کے معاملے میں پیچھے نہیں ہٹا۔ وہ بلاواسطہ نہ سہی بالواسطہ مذاکرات کے لیے تیار رہے۔

سوال: پاکستان نے ایران کو مقامی کرنسی میں تجارت کی پیش کش کی ہے لیکن گزشتہ چار سالوں میں گیس پائپ لائن کے حوالے سے کوئی پیش رفت نہیں ہوسکی۔ کیا اِس پیشکش پر کوئی عملی کام بھی ہوگا یا محض گفت وشنید تک بات محدود رہے گی؟

جواب: یہ بھی سربراہی کانفرنس کی طرح ایک مضحکہ خیز سی بات لگتی ہے۔ ایران نے چائنہ کے ساتھ مقامی کرنسی میں تجارت شروع کی ہے تو ان کی دیکھا دیکھی پاکستان نے بھی یہ پیش کش کر دی ہے۔ چائنہ کی کرنسی اور معیشت بہت مضبوط ہے۔ اس لیے ایران نے چائنہ کی آفر کو قبول کر لی۔ اس مقابلے میں پاکستان کی معیشت دیوالیہ ہونے کے قریب ہے تو ایران ہماری پیشکش کیوں قبول کرے گا۔ یہ بیان بغیر سوچے سمجھے داغ دیا گیا ہے۔ جہاں تک گیس پائپ لائن کی بات ہے۔ میں سمجھتا ہوں اس حوالے سے دونوں ممالک اپنی اپنی عوام کو سچ نہیں بتا رہے۔ ایران دعویٰ کر رہا ہے کہ انھوں نے اپنی طرف سے پائپ لائن بچھا دی ہے۔ یہ بات خلاف واقعہ ہے۔ ابھی تک ایران گیس پائپ لائن کو ہمارے بارڈر تک نہیں لا سکا۔ اس لیے کہ ایران بھی اس وقت معاشی بحران کا شکار ہے۔ اقتصادی پابندیوں کی وجہ سے اس کی مالی حالت بگڑ رہی ہے۔ دوسری طرف پاکستان کا معاملہ تو یہ ہے کہ مالی امداد کے بغیر ایک انچ زمین نہیں کھود سکتا۔ ہم تو ماہانہ تنخواہوں کی ادائیگی نہیں کر سکتے چہ جائیکہ ہم گیس پائپ لائن پاکستان میں بچھائیں۔

سوال: بیگ صاحب اس وقت ملک میں جس طرح کا گیس کا کرائسز ہے جو کمپنی گیس پائپ لائن بچھا رہی ہے ان کے ایک اعلیٰ عہدیدار کا کہنا ہے کہ اگر یہ کام اسی سپیڈ کے ساتھ، متواتر ہوتا رہے تو پھر 2014ء میں یہ منصوبہ قابل عمل ہوگا۔ یہ فرمائیے کہ 2014ء سے پہلے تک پاکستان کی انڈسٹری کہاں جائے گی، گیس کا بحران کیا رخ اختیار کر لے گا اس کا آج کوئی تصور کر سکتا ہے؟

جواب: پاکستان کی انڈسٹری کہاں جائے گی؟ پاکستان کے سیاسی عدم استحکام کا کیا بنے گا؟ پاکستان کے سماجی حالات کہاں جا رہے ہیں؟ ان چیزوں کی ہماری حکومت کو فکر ہوتی تو یقیناً کچھ نہ کچھ کرتے اور آج ہماری یہ حالت نہ ہوتی کہ اتنے وسائل کی موجودگی کے باوجود ہم غریب اور پسماندہ ہیں تو یہ اسی بات کا نتیجہ ہے کہ ہماری حکومتیں اور ہمارے ماہرین اس طرف توجہ دینے کے لیے قطعاً تیار نہیں کہ مستقبل میں ہماری ضرورتیں کیا ہیں اور ان کا سدباب کیسے کرنا چاہیے۔

> ایران اور امریکہ کا ڈائریکٹ کوئی جھگڑا نہیں ہے وہ ایران کے خلاف اسرائیل کی جنگ لڑ رہا ہے

سوال: ایران اور امریکہ کے مابین اصل جھگڑا کیا ہے؟ کیا مستقبل میں اِن کے درمیان کسی تصادم کا خطرہ ہے؟ اور کیا اقتصادی پابندیاں ایران کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیں گی؟

جواب: میں ذاتی طور پر یہ سمجھتا ہوں کہ ایران اور امریکہ کا ڈائریکٹ کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ایران اسلامی ملک ہے اور دنیا کی اسلامی قوتوں میں معاشی، سیاسی اور عسکری لحاظ سے ایک مقام رکھتا ہے اور

ایران نے دہشت گردی کو فروغ دینے میں کبھی کوئی رول ادا نہیں کیا۔
امریکہ اس خطے میں قبضہ جما کر 21 ویں صدی میں سپر پاور کی حیثیت برقرار رکھنا چاہتا ہے

اسرائیل نہیں چاہتا کہ دنیا میں کوئی بھی اسلامی ملک ایسا ہو جس میں جان ہو، جس طرح پاکستان امریکہ کی غلامی میں ہے اسی طرح امریکہ اسرائیل کا غلام ہے۔ امریکہ کی تنابیں اسرائیل کے ہاتھ میں ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ایک اسرائیلی وزیر اعظم کچھ باتوں کی وجہ سے امریکی صدر سے ناراض ہوگیا تھا تو اس نے ٹیلی ویژن پہ آ کر کہا تھا کہ امریکہ کو جان لینا چاہیے کہ اگر ہم چاہیں تو کل نیو یارک میں آگ لگا دیں۔ جان لیجیے امریکہ ایران کے خلاف اسرائیل کی جنگ لڑ رہا ہے اور چاہتا ہے کہ ایران اسرائیل کے لیے کسی طور پر بھی خطرہ نہ بن سکے یہ بھی امریکہ چاہتا ہے کہ کوئی مسلمان ملک ایٹمی طاقت نہ بننے پائے۔

سوال: ایوب بیگ صاحب پُرامن مقاصد کے لیے ایٹمی طاقت کا حصول کوئی گناہ ہے کیا؟

جواب: وسیم صاحب میں اور آپ تو کہہ سکتے ہیں یہ گناہ نہیں ہے لیکن امریکہ یہ بات سننے کو تیار نہیں ہے، میں سمجھتا ہوں ایٹمی طاقت کے پُرامن مقاصد ہوتے ہی نہیں۔ اس معاملے میں امریکہ کے خدشات درست ہیں۔ لیکن پہلی بات یہ ہے کہ ایران ایٹم بم بنانے کے حوالے سے ابھی اتنا آگے گیا بھی نہیں جتنا اسرائیل اور امریکہ شور مچا رہے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ امریکہ کے مشرق وسطیٰ میں مفادات ہیں اور امریکہ کو ایران کی ضرورت ہے۔ اور یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ ایران اور سعودی عرب کے مذہبی حوالے سے، مقدس مقامات کے حوالے سے اور علاقائی قوت کے حوالے سے تنازعات موجود ہیں۔ امریکہ عرب ممالک کو خصوصا سعودی عرب کو ایران کا ''ہوا'' دکھا کر اور اس آڑ میں سعودی عرب کو بہت بڑی مقدار میں اسلحہ بھی بیچتا ہے اور عربوں کو ڈراتا ہے کہ ایران سے بچ کر رہو۔ حالانکہ میں سمجھتا ہوں کہ ان کے تنازعات اس سطح کے نہیں ہیں کہ خدانخواستہ دونوں ممالک کے مابین جنگ کی نوبت آجائے لیکن امریکہ دونوں ممالک کے باہمی تنازعات کو ہوا دیتا رہتا ہے، لہٰذا یہ بات سمجھ لیجیے کہ ایران پر حملہ نہ کرنا امریکہ کے مفاد میں ہے لہٰذا یہ تو ممکن ہے کہ ایران ایٹم بم بنانے کے بہت قریب پہنچ جائے۔ یا خدانخواستہ ایران سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جائے کہ جس سے اسرائیل بہت زیادہ مشتعل ہو اور وہ گن پوائنٹ پر امریکہ کو مجبور کر دے تو امریکہ ایران کشیدگی جنگ کی صورت اختیار کر سکتی ہے۔ وگرنہ مجھے مستقبل میں امریکہ ایران تصادم کی کوئی صورت نظر نہیں آتا۔

سوال: جناب اگر ایران باقاعدہ ایٹمی طاقت ہونے کا اعلان کر دے تو پھر جنگ کا خطرہ موجود ہے؟

جواب: ایران باقاعدہ اعلان نہ بھی کرے اگر انھیں خطرہ محسوس ہوگیا کہ یہ Redline کراس کر گئے ہیں تو پھر ایران پر حملہ امریکہ کی مجبوری بن جائے گا اگر امریکہ نے نہ بھی کیا تو شاید اسرائیل براہِ راست ایران پر حملہ کر دے۔

سوال: کیا امریکہ اور یورپ کی طرف سے لگائی جانے والی اقتصادی پابندیاں ایران کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیں گی؟

جواب: میں سمجھتا ہوں کہ ایرانی معیشت کی حالت اس وقت اچھی نہیں ہے لیکن اس حد تک خراب نہیں ہے کہ وہ فوری طور پر گھٹنے ٹیک دے۔ وہ ان پابندیوں کا مردانہ وار مقابلہ کرے گا جیسا کہ اس نے کہا ہے کہ اگر اس پر پابندیاں لگیں تو وہ اپنے لیے نئے گاہک ڈھونڈے گا۔ اگرچہ امریکہ اور یورپ بالکل بائیکاٹ کریں گے۔ لیکن اس سے ایران کو مذاکرات کے حوالے سے کچھ Flexibility دکھانا پڑے گی۔ لیکن یہ کہ ایران مکمل طور پر گھٹنے ٹیک دے اور وہ اپنا ایٹمی پروگرام چھوڑ دے۔ ایسا ممکن نظر نہیں آتا۔

سوال: کیا ایران آبنائے ہرمز کو بند کر کے دنیا میں تیل کا بحران پیدا کر سکتا ہے۔ ہمارے قارئین کو آبنائے ہرمز کی اہمیت کے بارے میں کچھ بتائیے؟

جواب: آبنائے ہرمز ایک چھوٹی سی آبناہ ہے۔ یہ عہد وسطیٰ سے ایران کی تجارتی بندرگاہ رہی ہے۔ یہ ایران کے جنوب مشرق میں خلیج فارس کے دہانے پر واقع ہے۔ اس کے شمال میں ایران کا ساحل ہے جنوب میں عمان ہے، متحدہ عرب امارات ہیں۔ یہ انتہائی اہم آبناہ ہے۔ یہ بہت بڑی نہیں ہے اس کا عرض زیادہ سے زیادہ 54 کلومیٹر ہے۔ اس کی اہمیت یہ ہے کہ روزانہ یہاں سے سترہ بلین بیرل آئل گزرتا ہے۔ یوں کہہ لیجیے کہ دنیا میں تیل کے انٹرنیشنل ٹریڈ روٹ کا 20 فیصد اس روٹ سے گزرتا ہے اور خلیج فارس کے جتنے بھی تیل پیدا کرنے والے ممالک ہیں ان کی تجارت کا روٹ ہی یہ ہے اس کے بارے میں ایران کے نائب صدر رضا رحیمی نے جب یہ کہہ دیا کہ ہم آبنائے ہرمز کو بند کر دیں گے تو فوری طور پر امریکہ کے پانچویں بحری بیڑے کے کمانڈر نے یہ کہا کہ ہم اس جارحیت کا منہ توڑ جواب دیں گے۔ اور فوری طور پر امریکہ اور یورپ حرکت میں آگئے۔ اگرچہ وہ بھی جانتے تھے کہ ایران اتنی آسانی سے یہ بند نہیں کرے گا۔ اس لیے کہ اگر وہ بند کرتا ہے تو سب سے زیادہ اقتصادی نقصان تو ایران کو ہی برداشت کرنا پڑے گا۔ امریکہ کے وزیر دفاع نے بھی کہا کہ اگر ایران نے ایسا کیا تو دنیا سوچ نہیں سکتی کہ تیل کی قیمتیں کیا رخ اختیار کر لیں گی۔

سوال: یہ فرمائیے کہ ایران اگر آبنائے ہرمز بند کر دیتا ہے تو اس کے کیا Concequences ہوں گے؟

جواب: دیکھیے ایران آبنائے ہرمز بند تو کر سکتا ہے جب ایران اور عراق جنگ ہوئی تھی تو اس وقت ایران نے اس کو عارضی طور پر بند کر دیا تھا۔ لیکن چونکہ ایران اور عراق کی جنگ میں امریکی مرضی شامل تھی اور امریکہ اس جنگ کو جاری دیکھنا چاہتا تھا اس لیے امریکہ کا ردّعمل اتنا شدید نہیں تھا۔ لیکن اگر اب ایران نے ایسا کیا تو امریکہ حملہ کرنے سے باز نہیں آئے گا اس کا ردّعمل بہت شدید ہوگا۔

سوال: جناب ایران پر ایک الزام یہ بھی ہے کہ وہ دنیا بھر میں دہشت گردی کو سپورٹ کرتا ہے خاص طور پر یورپ سے ایک رسالہ شائع ہوتا ہے (The Trumpet) ان کا یہ کہنا ہے کہ دنیا بھر میں دہشت گردی کو سب سے زیادہ فروغ دینے اور پشت پناہی کرنے والا ملک ایران ہے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ان کا یہ تاثر ٹھیک ہے کیا؟

جواب: امریکہ ہو یا یورپ ان کے بارے میں ایک بات آپ کی خدمت میں عرض کر دوں کہ ان کا سچ، دیانتداری ان کا صحیح کام کرنا، اپنے ملک قوم، نسل اور مذہب تک محدود ہے۔ دوسرے کا معاملہ آتا ہے تو یہ لوگ بددیانتی کو دیانت اور جھوٹ کو بہت بڑی نیکی سمجھتے ہیں۔ جب بھی امریکہ نے کسی ملک پر حملہ کرنا ہو تو ان کے جرائد، اخبارات، اور ٹی وی چینلز ان کے ''ٹولز'' کے طور پر کام کرتے ہیں۔ وگرنہ ایسی کوئی بات نہیں اور نہ ہی ایران نے دہشت گردی کو فروغ دینے میں کبھی کوئی رول ادا کیا ہے۔

سوال: امریکی کانگرس میں پیش کردہ ایک قرارداد میں

کہا گیا ہے "بلوچستان کا علاقہ اِس وقت پاکستان ایران اور افغانستان میں تقسیم ہے اور بلوچ عوام کو خود مختارانہ حقوق حاصل نہیں ہیں۔ خصوصاً پاکستان میں بلوچوں کو تشدد اور ماورائے عدالت قتل کیا جارہا ہے۔ بلوچ عوام کو اپنے آزاد اور خود مختار ملک کے قیام کے لیے خود ارادیت کا حق حاصل ہے اور انہیں اپنی حیثیت کے تعین کا موقع ملنا چاہیے۔" آپ اس قرارداد پر کیا تبصرہ کریں گے؟

تینوں ممالک کا سربراہی اجلاس محض ایک فوٹو سیشن تھا ایران ایٹمی طاقت کے حصول میں اتنا آگے نہیں گیا جتنا امریکہ اور اسرائیل شور مچا رہے ہیں

جواب: سب سے پہلی بات یہ ہے کہ آپ نے بالکل صحیح لفظ استعمال کیا ہے یعنی قرارداد، جبکہ چند اخبارات اور کالم نگار اس کے لیے بل کا لفظ استعمال کر رہے ہیں۔ قرارداد اور بل میں بہت فرق ہے۔ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو قرارداد کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور جس شخص نے یہ قرارداد پیش کی ہے، وہ عجیب وغریب قسم کی قراردادیں پیش کرتا رہتا ہے۔ لہٰذا ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو اس قرارداد کی کوئی اہمیت نہیں ہے لیکن ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ امریکہ کی نیت پاکستان کے بارے میں بہت خراب ہے۔ لہٰذا یہ خدشہ موجود ہے کہ وہ آہستہ آہستہ اس قرارداد کو بل کی طرف لائیں گے۔ فی الحال انہوں نے یہ "فیلر" چھوڑا ہے جب پاکستان دباؤ میں آ کر بات کرے گا تو پھر وہ اپنے مطالبات پیش کریں گے مثلاً نیٹو سپلائی کی بحالی وغیرہ۔ میں یہی عرض کروں گا کہ ابھی پانی سر سے گزرا نہیں ہے ہمارے حکمران اگر اب بھی ہوش کے ناخن لیں تو یہ امریکی قرارداد ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

سوال: سات سمندر پار دنیا کے دوسرے کونے میں موجود امریکہ کو کیا مسئلہ ہے؟ وہ ہمارے اِس خطے میں کیوں پے در پے مداخلت کر رہا ہے؟

جواب: آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ آخر امریکہ کو تکلیف کیا ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ امریکہ کو بہت تکلیف ہے۔ دیکھیے آج Materialistic دور ہے۔ اس دنیا میں میٹریل کی بڑی اہمیت ہے۔ آج جس کے پاس دولت ہے اسی کی عسکری قوت مضبوط ہوگی وہی دنیا پہ غلبہ حاصل کرے گا اور وہی سپریم پاور بن سکے گا۔ لہٰذا ساری طاقت کا توازن معاش کی طرف چلا گیا ہے۔ آپ کے پاس دولت ہے تو آپ اسلحہ بنا سکیں گے۔ اس حوالے سے ہر ملک کو یہ دیکھنا ہوگا کہ میرے مفادات کہاں ہیں۔ دنیا کے نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو جس کی معاش ٹھیک ہے اس کا سب ٹھیک ہے اور جس کی معاش ٹھیک نہیں اس کا کچھ نہیں۔ لہٰذا اب بات سمجھنے کی ہے کہ امریکہ یہاں سے کیا لینے آیا ہے تو اصل وجہ یہ ہے کہ اس وقت معاش کی جنگ ہے اور معاش کی بنیاد انرجی ہے۔ اگر آپ کے پاس انرجی ہے تو آپ کی صنعت کا پہیہ چلے گا۔ اگر آپ کے پاس انرجی نہیں ہے تو آپ کی صنعت کا پہیہ نہیں چل سکتا اور اگر آپ کی صنعت کا پہیہ نہیں چلے گا تو آپ کو پیسہ حاصل نہیں ہوگا۔ اور پیسہ حاصل نہیں ہوگا تو اگلے مقاصد حاصل نہیں ہوسکیں گے تو امریکہ اور اس کے حواری یہاں توانائی کی تلاش میں آئے ہیں۔ امریکہ یہاں اس لیے قابض ہونا چاہتا ہے کہ یہاں بیش بہا معدنی وسائل ہیں۔ اور وہ یہاں قابض ہو کر دنیا پر اپنے غلبے کو قائم رکھنا چاہتا ہے، لیکن اب گیم امریکہ کے ہاتھ سے بھی نکل رہی ہے۔ اس حوالے سے جیسے میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ چائنہ اور ایران آپس میں مقامی کرنسی کا کاروبار کر رہے ہیں اور ان کا کاروبار بڑھتا چلا جارہا ہے۔ اسی طرح روس بھی امریکہ کو توانائی کی جنگ میں پیچھے دھکیل رہا ہے۔ امریکہ کی یہ کوشش ہے کہ وہ اس خطے پر قبضہ جما کر یہاں کے معدنی وسائل پر کنٹرول حاصل کرے اور 21 ویں صدی میں سپر پاور کی اپنی حیثیت برقرار رکھ سکے۔

سوال: یہ فرمایئے کہ اس وقت اس خطے میں جو کشیدگی پائی جاتی ہے کیا یہ عالمی جنگ آرمیگاڈان کا پیش خیمہ تو ثابت نہیں ہوگی؟

جواب: آثار تو یہی بتاتے ہیں کہ بات اسی طرف بڑھ رہی ہے یہ آخری جنگ جس میں نبی اکرم ﷺ کی احادیث کے مطابق بالآخر مسلمان فتح یاب ہوں گے۔ یہاں بالآخر کا لفظ نوٹ کر لیجیے اس لیے کہ اس وقت تو بہت مار پڑتی نظر آرہی ہے مسلمانوں کو لیکن بالآخر مسلمان فتح یاب ہوں گے۔ فی الحال تو ایسا نظر نہیں آتا لیکن نبی اکرم ﷺ کا کوئی فرمان ہو اور وہ پورا نہ ہو۔ یہ بات ناممکنات میں شامل ہے۔ لہٰذا ہمیں پورا یقین ہے کہ ایسا وقت ضرور آئے گا ان شاء اللہ۔ چاہے اس سے قبل ہمارے حالات موجودہ حالات سے بھی ابتر ہو جائیں قیامت سے قبل عالمی سطح پر مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوگا۔ نبی اکرم ﷺ نے خراسان کا ذکر فرمایا ہے۔ ایرانی اس کو خراسان بزرگ کہتے ہیں۔ سارا افغانستان، پاکستان کا مالاکنڈ ڈویژن اور ایران کا کچھ حصہ کا خراسان پر مشتمل ہے۔ اس علاقے سے فوجیں جائیں گی اور یہ بات بھی منطقی طور پر سمجھنے کی ہے کہ یہاں سے فوجیں اگر امام مہدی کی مدد کے لیے جائیں گی تو اس کا مطلب یہ لیا جاسکتا ہے کہ اس سے قبل یہاں پر کوئی باقاعدہ اسلامی حکومت قائم ہوچکی ہوگی۔ اور ایک حدیث کے مطابق 80 علم کے نیچے یہ لشکر روانہ ہوگا اور ہر علم کے نیچے 12 ہزار افراد ہوں گے۔ اور از روئے حدیث یہ یقیناً وہی وقت ہوگا جب اسلام بطور دین پوری دنیا میں قائم ہوگا۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہم ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں۔ ہمیں جدوجہد کرنا ہوگی اور دین اسلام کو پاکستان اور پوری دنیا میں عملاً نافذ کرنے کے لیے اپنا تن من اور دھن لگانا ہوگا۔ اسی میں ہماری دنیا و اخروی فلاح مضمر ہے۔

(اس پروگرام کی ویڈیو تنظیم اسلامی کی ویب سائیٹ www.tanzeem.org پر خلافت فورم کے عنوان سے دیکھی جاسکتی ہے۔)

ضرورت رشتہ

☆ لاہور میں رہائش پذیر گوندل فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 26 سال، دوسالہ دینی کورس، ایم اے اسلامیات، کے لیے دینی مزاج کے حامل برسرِ روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ:

042-35890523 / 0301-8568071

☆ لاہور میں رہائش پذیر خاتون، عمر 42 سال، تعلیم میٹرک (مطلقہ) کو عقد ثانی کے لیے دینی مزاج کا حامل رشتہ درکار ہے۔ (ذات پات کی کوئی قید نہیں) برائے رابطہ:

0336-4157511 / 0303-4442403

☆ آرائیں فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 22 سال، تعلیم میٹرک، امور خانہ داری میں ماہر کے لیے دینی مزاج کے حامل، باروزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0334-4014426

☆ مجھے اپنے بیٹے، عمر 26 برس، تعلیم MBBS، FCPS پارٹ 1 کے امتحان میں شریک، قد "5'5، کے لیے خوبصورت، نیک سیرت، دینی مزاج اور پابندِ حجاب، تعلیمی اعتبار سے ترجیحاً ہم پلہ، ذات پات کی قید سے آزاد، لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0321-4770587

حل کیا ہے؟

اوریا مقبول جان

اگر جمہوریت نہیں، الیکشن نہیں، لوگوں کی رائے نہیں تو پھر تبدیلی کا اور کون سا راستہ ہے۔ روز کبھی کیمونزم کے خلاف لکھتے ہو اور کبھی مغربی جمہوریت کے خلاف، راستہ بتاؤ راستہ۔ لوگوں کو الجھا کر رکھا ہوا ہے۔ یہ ایک طرح کے سوال ہیں جو پوچھے جاتے ہیں۔ دوسری جانب پورے یقین کے ساتھ پہلے کچھ فقرے بولے جاتے ہیں۔ مثلاً کیا جمہوریت کے بغیر کوئی ملک چل سکتا ہے، ہمارا ایک آئین ہے، جسے ہم نے بڑی محنت سے بنایا ہے۔ ساری سیاسی پارٹیوں کے اس پر دستخط موجود ہیں۔ یہ سب اکائیوں کی متفقہ دستاویز ہے۔ اس سے ماوراء کوئی بھی اقدام ہوگا تو وہ قابل قبول نہیں ہوگا۔ کوئی اس کو نہیں مانے گا۔ اب تو سپریم کورٹ بھی اس اقدام کا دفاع نہیں کرے گی۔ اور اگر فوج ہی کو آنا ہے تو اس کو تو ہم پہلے ہی تین بار آزما چکے ہیں۔ تم ایسی کون سی نئی تبدیلی لانا چاہتے ہو۔ کون سا راستہ ہے تمہارے پاس۔ اسلام کی بات کرتے ہو، اسلامی نظام کی بات کرتے ہو، اسلامی قوانین کا نفاذ چاہتے ہو، تو اس آئین کے تحت جو چاہے کرلو، جیت کر آؤ اور جیسا قانون چاہے بنالو، اور ویسے بھی پاکستان میں تو کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف بن ہی نہیں سکتا۔ یہ سب تم لوگوں کے دماغ کی خرابی ہے، چار ووٹ نہیں ملتے اور غیر جمہوری راستوں سے برسر اقتدار آکر اس ملک کے عوام کی قسمت سے کھیلنا چاہتے ہو۔ کون سا اور طریقہ ہے، صرف جمہوریت کو گالی دے کر تو مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ کوئی حل بتاؤ اس سب کا۔

یہ سارے سوال وہ ہیں جو ہر اس شخص کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں جو سوچتا ہے، غور کرتا ہے اور اس دنیا میں انسان پر جو بیت رہی ہے، اس پر کڑھتا ہے۔ اس کے نزدیک دنیا نے صدیوں کی مغزماری کے بعد بالآخر ایک نظام وضع کرلیا ہے جس کے ذریعے حکمران منتخب کیے جاسکتے ہیں۔ اب بھی ٹھیک ہے۔ آج سے دو سو سال پہلے کے انسان سے کوئی یہ سوال کرتا کہ بادشاہ کیسے بنتے ہیں، حکومت کیسے کرتے ہیں تو اس کے ذہن میں پہلی بات تو یہ آتی کہ بادشاہ کے گھر میں پیدا ہونے سے بندہ بادشاہ بن سکتا ہے۔ پھر وہ سوچتا کہ کبھی کبھی بلکہ کئی دفعہ تو صرف بادشاہ کے گھر میں پیدا ہونا بھی ضروری نہیں۔ شاہجہان، تاج محل کا خالق، شالامار باغ کا مکین لیکن ماں کو تنگ حویلی میں قید کرنا پڑا اور سارے بھائیوں کا سر اڑانا پڑا۔ اشوک، انسان دوست بادشاہ، جانوروں پر مہربان لیکن اسے بھی ننانوے بھائیوں کو قتل کرنا پڑا اور کلنگہ کی جنگ میں دس لاکھ لوگوں کی لاشوں سے میدان کو بھرنا پڑا۔ آدمی سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ صرف بادشاہ کے گھر میں پیدا ہونا ہی اس بات کی ضمانت نہیں کہ آپ بادشاہ بن جائیں بلکہ آپ کو اپنی بادشاہت کے حصول کے لیے ساری زندگی ایڑیوں پر کھڑے ہوکر گزارنا پڑتی ہے۔ آپ سب سے چھوٹے بھائی ہوں، آپ کو والد بالکل پسند نہ کرے بلکہ وہ کسی اور بھائی کو تخت پر بٹھانا چاہے تو آپ کو اورنگ زیب کی طرح سارے بھائیوں کے ساتھ لڑنا بھی اور باپ کو معزول کرکے قید بھی کرنا پڑے گا، تب جاکر آپ بادشاہ بنتے ہیں۔ یہ کس قدر جان جوکھوں کا کام ہوتا تھا۔ لیکن اگر اُس دور کے کسی فرد سے پوچھا جاتا کہ بتاؤ بادشاہ کیسے بنتے ہیں تو وہ سیدھا سادا سا جواب دیتا کہ بادشاہ تو وہی بنتا ہے جو بادشاہ کے گھر میں پیدا ہو۔

حکومت حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ وہ تھا جو مختلف مواقع پر تاریخ میں ہر دور میں رائج رہا۔ یعنی کسی نہ کسی طریقے سے ایک مناسب سی فوج جمع کرو، سب سے پہلے ایک چھوٹے سے علاقے پر یا شہر پر اپنی حکومت مسلط کرو اور پھر اس چھوٹی سی حکومت کو وسعت دینا شروع کردو۔ اس کے لیے آپ کے پاس بہت سارے وسائل کی بھی ضرورت نہیں تھی بلکہ صرف توسیع پسندانہ ذہن ہونا چاہیے۔ منگولیا جہاں ڈھنگ سے گھاس بھی نہیں اُگتی تھی، جو دنیا کے ایسے مقام پر ہے جہاں نہ کوئی سمندر لگتا ہے اور نہ دریا، نہ تجارت اور نہ کاروبار، کھیتی باڑی بھی ایسی کہ بس اپنا اور گھوڑوں کا گزارا ہوسکے۔ آبادی کے حساب سے دیکھا جائے تو دنیا کی سب سے چھوٹی قوم۔ لیکن چنگیز خان نے جس طرح پوری دنیا کو روندا اور علاقوں پر علاقے فتح کیے اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ ایسے ہی فاتحین کی ایک طویل قطار ہے جو نہ تو کسی بڑی عالمی طاقت کے سربراہ تھے اور نہ ہی وسائل سے مالا مال ملک کے بادشاہ، لیکن جب ان پر دنیا فتح کرنے کا جنون چڑھا تو دنیا ان کے پاؤں تلے روندتی چلی گئی۔ ازبکستان کے علاقے کا تیمور ایران اور عظیم ہندوستان پر غالب آیا۔ نادر شاہ کہ جس کی افشار قوم کو شاید ہی کوئی جانتا ہو، لیکن اس کی فتح کی نشانیاں اور لوٹ مار کی علامتیں تاریخ کا حصہ ہیں۔ یونان جہاں سے لوگ علم وفن اور فلسفہ کی تاریخ اور جمہوریت کی ابتدا کا درس لیتے ہیں، وہاں سے سکندر نکلا تو کسی نے سوچا ہوگا کہ وہ دنیا کے ایک بہت بڑے حصے کو فتح کرے گا۔ اس لیے اگر اس دور کے افراد کو پوچھا جاتا کہ بتاؤ بادشاہ کیسے بنتے ہیں، حکومت کیسے ملتی ہے تو اس کے ذہن میں دو جواب آتے، ایک یہ کہ آپ بادشاہ کے گھر میں پیدا ہوں یا پھر کوئی دوسرا بادشاہ اگر پہلے والے کو شکست دے کر تخت پر قبضہ کرلے، پھر جو بھی قبضہ کرے اس کا پہلے تو سکہ ملک میں چلنے لگتا اور پھر اس کا نظام ملک میں رائج ہوجاتا۔ یہ تو ابھی کل کی بات ہے۔ انگریز جو دنیا تو ایک طرف یورپ کی آبادی کے لحاظ سے ان تمام ممالک میں ایک چھوٹا ملک ہے۔ سرد موسم، وسائل سے محروم، علم وادب، فلسفہ، طب اور ٹیکنالوجی سے عاری لیکن دنیا فتح کرنے نکلا تو اس کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ جب اس برطانیہ نے امریکہ، کینیڈا سے لے کر آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ تک اپنا اقتدار مستحکم کرلیا، اپنی حکومت قائم کردی تو پھر وہاں اپنا نظام نافذ کردیا۔ جب نظام ایک طویل عرصے تک نافذ ہوجاتا ہے تو لوگ اس کے عادی ہوجاتے ہیں اور لوگوں کو یقین سا ہوجاتا ہے کہ اس کے بغیر مملکت کا کاروبار چل ہی نہیں سکتا۔

برصغیر پاک و ہند میں انگریز کی آمد سے قبل کیا کبھی کسی نے سوچا تھا کہ میونسپل کمیٹی بھی ہوتی ہے، ٹاؤن کمیٹی سے لے کر لیجسلیٹو اسمبلی تک لوگوں کو ووٹ دینے کی عادت ڈالی گئی اور پھر ان عوامی نمائندوں کو ان کی حدود و قیود سمجھا دی گئیں کہ تم کو کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا۔ جنگ عظیم میں لڑنے یا نہ لڑنے کا فیصلہ ہمیں کرنا ہے تمہیں نہیں، تمہارا کام بس فوجی بھرتی کے مراکز کو کامیاب بنانا ہے، سڑکیں بنانا ہے، پانی فراہم کرنا ہے، سکول اور ہسپتال چلانے ہیں لیکن اس جمہوریت کے نافذ کرنے سے پہلے انگریز نے ایک وسیع تر نظام یہاں وضع کر کے نافذ کر دیا تھا۔ تمام قوانین جن میں تعزیرات ہند، ضابطۂ فوجداری، ضابطۂ دیوانی اور دیگر تمام قوانین جن میں سب سے اہم معاملات زمین اور لینڈ ریونیو قوانین شامل تھے، انہیں نافذ کر کے اور 1773ء سے ایک وسیع سول سروس کا نظام بنا کر ان قوانین کے نفاذ کی مشینری مہیا کر دی گئی تھی۔ اس کے بعد اس خطے میں محدود اور پھر نسبتاً آزاد جمہوریت نافذ کی گئی۔ جنہیں اس بات کا مکمل یقین ہو چکا تھا کہ ہندوستان کا نظام تعزیرات ہند، ضابطۂ فوجداری و دیوانی، ہائی کورٹ، سپریم کورٹ اور سیشن عدالتوں کے بغیر چل ہی نہیں سکتا جو چھوٹی موٹی تبدیلی لانی ہے اسی مروجہ سسٹم میں لانی ہے کیونکہ یہ انسان نے صدیوں کی محنت سے سیکھا اور بنایا ہے۔ قبضہ کر کے جمہوریت نافذ کرنے کا نسخہ آج بھی اسی طرح کارگر ہے۔ پہلے عراق پر قبضہ کرو، اس پر اپنا نظام نافذ کرو، محکوم لوگوں کی گردن پر تلوار رکھ کر آئین بناؤ اور پھر کہو کہ یہ ایک مقدس دستاویز ہے۔ یہی حال افغانستان کا کیا گیا۔ پہلے قبضہ حاصل کیا گیا، پھر آئین نافذ کیا گیا اور پھر کرزئی کا الیکشن۔ دنیا کے کسی ملک میں آج تک یہ پہیہ الٹا نہیں چلا۔

اللہ پر توکل رکھنے والے، پسماندہ، بے آب و گیاہ اور وسائل سے محروم افغانوں کے ہاتھوں سوویت یونین کی کمیونسٹ بادشاہت کی ذلت آمیز شکست سے پہلے دنیا بھر تو ایک طرف پاکستان کے عظیم اور آج کے دور کے جمہوری اور سیکولر دانشوروں سے اگر کوئی پوچھتا کہ حکومت قائم کرنے کا کون سا طریقہ ہے تو وہ دو طریقے بتاتا۔ ایک کا نام وہ نفرت سے لیتا جسے وہ سرمایہ دارانہ جمہوریت کہتا اور اس کے پشت پناہ امریکہ کو گالیاں دیتا اور دوسرا طریقہ الیکشن۔ کتنے بڑے بڑے نام تھے جو مسائل کا حل حکومت پر بزور قبضہ کر کے فاقہ کش مزدوروں کی آمریت قائم کرنے کے قائل تھے۔ سجاد ظہیر سے لے کر فیض احمد فیض تک اور دادا جی فیروز الدین منصور سے سی آر اسلم اور عابد حسن منٹو تک۔ انجمن ترقی پسند مصنفین میں شاعروں کا ایک قافلہ تھا جو جمہوریت نام کے سرمایہ دارانہ فیشن سے نفرت کرتا اور مزدوروں کے انقلاب کے ترانے گاتا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب دنیا اس بات کی قائل نہ تھی کہ جمہوریت کے بغیر کوئی نظام چل ہی نہیں سکتا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ آدھی سے زیادہ دنیا میں کمیونسٹ حکومتیں قائم ہیں جہاں طویل ترین جدوجہد، پھر لاتعداد انسانوں کے سروں کی فصل کاٹ کر حکومت بنائی گئی اور پھر انہیں آغاز ہی میں مستحکم کرنے کے لیے کروڑوں لوگوں کی گردنیں کاٹ کر معاشرے کو پاک صاف کیا گیا، تاکہ صحیح کمیونسٹ نظام نافذ ہو سکے۔ روس کے 1917ء کے بالشویک انقلاب کے پہلے چار سال یعنی 1924ء تک چالیس لاکھ لوگوں کو لینن اور ٹراٹسکی کے حکم سے مختلف طریقوں سے ہلاک کیا گیا جن میں اجتماعی قتل عام بھی شامل تھا۔ انقلاب کے مخالفین کو ہر طرح کی اذیت دے کر قتل کرنا اور پھر مزدوروں کی بادشاہی کے نام پر انہیں صفحۂ ہستی سے مٹانا ایک عام دستور تھا۔ میں نے صرف یہاں لینن اور ٹراٹسکی کے زمانے کے قتل عام کا ذکر کیا ہے اور جس میں 1918ء کی وہ سول وار بھی شامل ہے جسے ردِ انقلاب کا نام دیا گیا۔ لیکن یہ سب قتل عام اس لیے کیا گیا کہ ایک شفاف حکومت قائم کرنا ہے اور غاصب لوگوں سے اقتدار چھین کر عام آدمی کے حوالے کرنا ہے۔ چین میں ماؤزے تنگ کا لانگ مارچ بھی اپنی خون آشامی کے حساب سے مختلف نہیں تھا۔ اس کے پاس بھی جب ایک خاص تعداد میں لوگ جمع ہو گئے تو وہ اقتدار پر قابض چیانگ کائی شیک اور اس کے گماشتوں کو شکست دینے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ یہ قتل عام صرف اقتدار حاصل کرنے تک ہی جاری نہ رہا بلکہ اس کو مستحکم کرنے کے لیے ایک سماجی انقلاب کے نام سے زمین کا بوجھ لوگوں کو زمین کی تہہ میں اتار دیا گیا۔ لاکھوں تو ایسے لوگ تھے جنہیں نشئی یا افیونچی کہہ کر سمندر میں غرق کر دیا گیا۔ ماؤ کو بھی اقتدار پر قابض ہونے کے لیے اور قوم کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے کسی جمہوریت یا الیکشن کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ کیوبا، ویت نام، جنوبی کوریا، یوگوسلاویہ، چیکوسلواکیہ اور درجنوں ایسے ممالک جہاں اسی طرح اقتدار پر قابض کیا گیا اور پھر وہاں کے لوگوں کی ترقی اور خوشحالی کے نعرے کی بنیاد پر اصلاحات کی گئیں اور حکومتیں قائم ہوئیں۔ اقتدار پر قبضہ کبھی ملک کے اندر سے ایک مسلح گروہ کی مدد سے کیا گیا جسے ان کے نزدیک پسماندہ طبقے کی تائید حاصل تھی یا پھر اگر کہیں کسی ملک میں حکومت بن گئی تو اس کی فوج کی مدد حاصل کر کے اپنے ملک میں انقلاب کی داغ بیل ڈال دی گئی۔ اس کی آخری مثال افغانستان میں 27 اپریل 1978ء کو سوویت روس کی مدد سے کمیونسٹ پارٹی کا اقتدار پر قبضہ کرنا تھا۔ اسے ثور انقلاب کہا جاتا ہے۔ 1917ء سے 1992ء تک 75 سال ایسے ہیں کہ جب آدھی دنیا میں ایسا ہی طریقہ کار رائج تھا کہ کسی بھی طریقے سے اقتدار پر قبضہ کر کے وہاں پر موجود مخالف یا رد انقلاب لوگوں کو قتل کر کے ایک نظام نافذ کر دو۔

ان انقلابات کو لانے اور پھر ان کو مستحکم کرنے میں ایک اندازے کے مطابق 10 کروڑ لوگ مارے گئے۔ ان سب کا قتل دنیا کے ایک خاصے بڑے دانشور طبقے نے عین جائز اور حلال قرار دیا۔ کسی ساحر لدھیانوی، فیض احمد فیض، اختر الایمان یا علی سردار جعفری نے ان کی موت پر نظمیں نہیں لکھیں۔ اس لیے کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ سرمایہ دار، جاگیر دار اور ظالم اشرافیہ اقتدار پر قابض ہیں اور ان سے زمین کو پاک ہونا چاہیے۔ دنیا کی پہلی اجتماعی قبر پولینڈ میں 1939ء میں دریافت ہوئی جو سوویت یونین کے اس ملک پر قبضہ کر کے مزدوروں کا اقتدار قائم کرنے کے بعد وجود میں آئی تھی۔ دنیا بھر کے ادیبوں، دانشوروں، لکھاریوں اور انسانیت کے علمبرداروں کے نزدیک یہ سارے قتل جائز اور درست تھے، اس لیے کہ یہ سب لوگ اس لیے قتل کیے جاتے تھے تاکہ انسانوں کو ان کے ظلم سے نجات دلا کر غریب کسان اور مزدور کو اقتدار کا بلا شرکت غیرے مالک بنایا جائے۔ یہ سب لوگ جنہوں نے لاکھوں لوگوں کا قتل عام کیا تھا ان کے مجسمے بنائے گئے، ان کے بیج سینوں پر لگائے گئے، پوسٹر چھپے اور سٹیکر تقسیم ہوئے۔ میرے ہی ملک میں ماؤزے تنگ اور لینن کے بیج لوگوں کے سینوں پر مدتوں رہے۔ ان سب کے فیصلوں کو انسانیت کی بقا کے فیصلے کہا جاتا تھا۔ غرض اس سارے دور میں کوئی کتنا بڑا ادیب، دانشور یا تجزیہ نگار کیوں نہ ہو، وہ قطعاً اس بات پر یقین

نہیں رکھتا تھا کہ دنیا میں حکومت چلانے کے لیے جمہوریت بہت ضروری ہے۔ عوام کی رائے کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ پارلیمنٹ، آئین اور جمہوری اقدار ان کو سرمایہ داروں کی عیاشیاں لگتی تھیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح جمہوری نظام سے وہی طبقہ برسرِ اقتدار آتا ہے جو صدیوں سے انسانوں کا خون چوس رہا ہے۔

لیکن 1992ء کے بعد سے ان سب کو ایک خمار چڑھا ہوا ہے۔ جمہوریت، انسانی حقوق، عوام کی رائے اور عوام کی حاکیت۔ گزشتہ 19 سال جمہوریت کے خمار کے سال ہیں۔ یہ خمار ایسا ہے کہ وہ سارے بڑے بڑے نام جو کبھی زبردستی قبضہ کرکے انقلاب کے قائل تھے، ان کے کلام اور خیالات کو مشرف بہ جمہوریت بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ سارے بڑے بڑے انقلابی انسانی حقوق کے علمبردار ہو گئے ہیں اور سارے عظیم دانشور، شاعر، ادیب اسی سرمایہ دارانہ جمہوریت کے جس کو وہ کبھی گالیاں دیا کرتے تھے گن گانے لگ گئے۔ پہلے کمیونسٹوں پر الزام لگتا تھا کہ یہ روس اور چین سے مدد لیتے ہیں۔ وہ اپنی محفلوں میں اس کا اقرار بھی کر لیتے تھے کہ انقلاب کے لیے سب جائز ہے لیکن اب تو مدد کو ’’این جی اوز فنڈنگ‘‘ کے نام پر ایک سکہ رائج الوقت بنا دیا گیا ہے۔ یہ سب لوگ کہتے ہیں کہ انقلاب، تبدیلی طاقت سے نہیں بلکہ لوگوں کی رائے اور ان کے ووٹ سے آنی چاہیے۔ ان کے نزدیک فوجی آمریت یا ڈکٹیٹر شپ لعنت ہے۔ اس لیے جمہوری اقدار کو آہستہ آہستہ عوام میں پروان چڑھنا چاہیے، چاہے دو سو سال لگ جائیں۔

لیکن ان سب جمہوریت کے علمبرداروں کے پاس ایسے وقت میں اور کوئی حل باقی نہیں رہتا جب کسی ملک میں جمہوری طریقے سے تبدیلی نہ آ رہی ہو یا ان کی مرضی کے انسانی حقوق نہ مل رہے ہوں۔ ایسے میں یہ وہی کرتے ہیں جو چنگیز خان کرتا تھا، ہلاکو کا دستور تھا یا پھر لینن اور ماؤزے تنگ نے کیا۔ یعنی پہلے زبردستی اقتدار پر قبضہ کرو، زمین کو اپنی مرضی کے مخالف لوگوں سے پاک کرو اور اپنا نظام نافذ کردو۔ افغانستان میں ملا عمر کی حکومت تھی۔ تمام جمہوری حوالوں سے وہ ایک عوامی سپورٹ سے اقتدار میں آیا تھا۔ کہا نہیں۔ فوج بھیجو، اقتدار پر قبضہ کرو، مخالفین کا صفایا کرو، اپنا آئین بنا کر دو اور نعرہ بلند کرو ہم نے جمہوریت نافذ کر دی۔ یہی حال عراق میں صدام حسین کے ساتھ کیا گیا۔ دس لاکھ لوگ قتل کیے، اپنا آئین نافذ کیا اور کہا جمہوریت نافذ ہوگئی، ہمارا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ حیرت کی بات ہے کہ یہاں پر مرنے والوں کے لیے کوئی دانشور، ادیب، شاعر نہیں رویا۔ سب نے کہا کہ یہ جمہوریت کے دشمن، دہشت گرد تھے۔ تاریخ ایک بات ثابت کرتی ہے کہ جب کسی ملک میں ایک گروہ اپنی دھونس، طاقت اور دولت سے ملک پر قابض ہو جائے، خواہ وہ غیر جمہوری طریقے سے ہو یا جمہوری طریقے سے تو سب سے پہلے اس گروہ سے ملک کا قبضہ چھڑایا جاتا ہے۔ پلاٹ پر ناجائز قبضہ چھڑانے کے لیے ایس ایچ او محلے میں جا کر الیکشن نہیں کراتا کہ کتنے لوگ اس کے حق میں ہیں یا کتنے مخالف۔

پوری دنیا اس وقت ایسے بحران کے دہانے پر کھڑی ہے جہاں گزری تین چار صدیوں میں نافذ نظاموں کے بت ٹوٹ چکے ہیں۔ وہ لوگ جو اشتراکیت یا کمیونزم کی بنیادیں قدیم قبائلی زندگی میں ڈھونڈتے تھے، پھر یونان کے فلسفیوں میں انسان کی مساوات اور محنت کے صلے کی منطقیں دریافت کرتے تھے، جنہوں نے کارل مارکس اور اینگلز کے لکھے ہوئے کمیونسٹ مینی فیسٹو میں درج اس معاشرے کے خواب دیکھے تھے جس میں جب نجی ملکیت ختم ہو جائے گی تو لوگوں میں جھگڑا اور فساد بھی نہیں رہے گا، جب جھگڑا اور فساد نہیں ہوگا، کوئی ناانصافی نہیں ہوگی تو پھر نہ ریاست کی ضرورت، نہ پولیس کی اور نہ کسی اور محکمے کی۔ لیکن وہ جب اس نظام کو نافذ کرنے لگے تو انہیں یہ ایک ایسا خواب لگا جس کی تعبیر اس دنیا میں تو ممکن نہ تھی۔ یوں انہوں نے مزدوروں کی ڈکٹیٹر شپ کے نام پر آدھی دنیا پر پچھتر سال تک بدترین آمریت کے ذریعے ایک نظام نافذ کیا اور ٹھیک بیس سال پہلے اس کا سورج غروب ہو گیا۔ دوسری جانب مزدوروں کی بادشاہت کے مقابلے میں سرمایہ داروں کا اقتدار آدھی دنیا پر گزشتہ دو سو سال سے قائم ہے۔ اس سرمایہ دارانہ آمریت کا سب سے بڑا فریب جمہوریت ہے۔ لوگوں پر حکومت کرنے کے لیے انہی میں سے لوگ لے کر آؤ، لیکن وہ ان کے اشاروں پر کٹھ پتلی کی طرح ناچتے رہیں۔ سرمایہ کی لذت، مارکیٹوں کی چکا چوند، اخلاقی اصولوں سے ماورا تعیش، کھیل تماشے اور جنسی ہیجان، آگے بڑھتے، دولت کے حصول میں ایک دوسرے کو کہنیاں مارتے ہوئے لوگ، آرٹ، ادب اور کلچر کے نام پر رنگ و نور میں سجتی، سنورتی، بازار کی زینت عورت اور سب سے بڑھ کر سود جس کی بھول بھلیوں میں بہتے ہوئے لوگ، جن کی ساری متاعِ حیات کریڈٹ کارڈ یا پلاسٹک منی کے ہاتھ میں گروی رکھی جا چکی ہو۔ معیارِ زندگی کی دوڑ میں ماں باپ کو اولڈ ایج ہوم بھیجنے والے، شادی کے بندھن کو ایک بوجھ تصور کرنے والے اور زندگی کو لذتوں کے حصول کے لیے تین تین نوکریاں کرتے ہوئے تھکے ہارے لوگ۔ یہ تھا اس نظام کا خلاصہ جس سے تنگ آئے لوگوں نے کتوں کے گلے میں کتبے لٹکائے کہ ہم 99 فیصد ہیں اور ہم پر ایک فیصد سرمایہ دار جمہوریت کے نام پر حکومت کر کے خون چوس رہے ہیں۔ جو عوام کے خادم ہم اسمبلیوں میں بھیجتے ہیں وہ ہمیں اتنا ہی دیتے ہیں کہ ہمارے اشک خشک ہو جائیں اور باقی ہماری محنت سرمایہ دار کی جھولی میں گرا دیتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں ساڑھے چار سو افراد اتنے امیر ہیں کہ ان کی دولت تقسیم کر دی جائے تو دنیا میں کہیں قحط نہ ہو، کوئی صاف پانی سے محروم نہ رہے اور کسی علاقے کے لوگ بھی تعلیم اور صحت کی سہولیات کا رونا نہ روئیں۔

(جاری ہے)

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ

- ازروئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟
- ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
- نیکی، تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ مندرجہ ذیل خط و کتابت کورسز سے فائدہ اٹھائیے:

(1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس
(2) عربی گرامر کورس (I`II`III)
(3) ترجمہ قرآن کریم کورس

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس (مع جوابی لفافہ) کے لئے رابطہ:

شعبہ خط و کتابت کورسز
قرآن اکیڈمی 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون: 3-5869501
E-mail: distancelearning@tanzeem.org

ذرا سوچیے!

عبداللہ

دبئی میں پاکستان اور انگلینڈ کے درمیان ہونے والی ٹیسٹ میچوں کی سیریز میں پاکستان نے انگلینڈ کو تین صفر سے شکست دی، جس کی خوشی ملک کے کونے کونے میں منائی گئی۔ اگرچہ بعد میں ون ڈے اور ٹی ٹوئنٹی میچوں میں انگلینڈ نے ہمیں شکست دے کر حساب چکا دیا۔ پاکستان کا کسی بھی میدان میں آگے بڑھنا اور فتوحات حاصل کرنا اہل پاکستان کے لیے مسرت وشادمانی کا باعث ہونا بالکل فطری ہے۔ تاہم اس موقع پر ہمیں کچھ بنیادی نوعیت کے سوالات پر ضرور غور کرنا چاہیے۔ اہم ترین سوال کرکٹ کے کھیل میں قوم کے وقت کے ضیاع سے متعلق ہے۔

سورۃ المومنون کی ابتدائی آیات میں اللہ رب العزت نے اہل ایمان کی سیرت وکردار کی تعمیر کے لیے بنیادی صفات بیان فرمائی ہیں۔ ان صفات میں دوسری صفت ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝﴾ ''یعنی ''اہل ایمان ''لغو'' سے اعراض کرنے والے ہیں۔'' لغو کہا جاتا ہے کہ کسی بھی ایسے کام کو جو لا یعنی ہو۔ یعنی اس کا دنیا میں فائدہ ہو نہ ہی آخرت میں۔ انگریزی میں ایسے کاموں کو Time Killing Activities کہا جاتا ہے۔ حیاتِ دنیوی میں ہمارے لیے سب سے قیمتی شے ''وقت'' ہے۔ آخرت کی طویل زندگی کے لیے ہمارے اچھے یا برے انجام کا انحصار دنیا کے اس قلیل وقت کے استعمال پر ہے۔ ایک حدیثِ مبارکہ کا مفہوم ہے کہ روزِ قیامت انسان کو سب سے زیادہ افسوس وحسرت اپنی حیاتِ دنیوی کی اُن گھڑیوں پر ہوگی جو غفلت میں بیت گئیں۔ جو انسان اپنے اوقات کو ضائع نہیں کرتا، وہ درحقیقت اس بات کا ثبوت دے رہا ہوتا ہے کہ اسے آخرت کے حساب کتاب کا یقین ہے۔

ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے۔ وہ اور اس کے ایجنٹ چاہتے ہیں کہ ابنِ آدم کی سب سے قیمتی متاع یعنی اس کے وقت کو برباد کردیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں لوگوں کے سامنے ایسے مشاغل خوش نما بنا کر پیش کیے جاتے رہے جن میں مشغول ہو کر وہ اپنا وقت ضائع کرتے رہے۔ قرآن حکیم نے ایسے مشاغل کو ''لھوالحدیث'' کہا ہے۔ ناچ، گانے، قصے، کہانیاں، ناول، فلمیں، ڈرامے، تماشے، کرتب، سرکس، شطرنج، تاش، کیرم، ویڈیو گیمز وغیرہ وغیرہ، سب اسی زمرے میں آتے ہیں۔ البتہ اس طرح کے مشاغل میں اب سب سے زیادہ نمایاں حیثیت ''کرکٹ'' کے کھیل کو حاصل ہو چکی ہے۔

اسلام نے صحت مند تفریح اور کھیل سے منع نہیں کیا، بشرطیکہ اس میں شریعت کی تمام حدود وقیود کا لحاظ رکھا گیا ہو۔ البتہ کرکٹ کے کھیل کا مروجہ طریقہ کار اس زمرے میں نہیں آتا۔ اس کھیل میں انسان کی سب سے قیمتی متاع یعنی وقت کا بہت زیادہ ضیاع ہوتا ہے۔ ون ڈے میچ کے لیے ایک مکمل دن اور ٹیسٹ میچ کے لیے پانچ دن درکار ہوتے ہیں۔ میچ میں حصہ لینے والے کھلاڑیوں کا بھی اکثر وقت پویلین میں بیٹھ کر یا Field میں کھڑے ہو کر گزرتا ہے، اور انہیں اس کھیل سے جسمانی ورزش کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ پھر اُن میچز کی وجہ سے پورا کاروبارِ زندگی متاثر ہوتا ہے۔ دفاتر اور کاروباری مراکز میں حاضری کا تناسب بہت کم ہو جاتا ہے اور حاضر ہونے والوں کی بھی اصل توجہ میچ کی صورت حال کی طرف ہوتی ہے۔ لوگوں کی اکثریت ریڈیو یا ٹی وی کے ذریعہ میچ کا آنکھوں دیکھا حال سن کر یا دیکھ کر اپنا قیمتی وقت برباد کرتی ہے اور اپنے روزمرہ کے فرائض سے مجرمانہ پہلوتہی کرتی ہے۔

وقت کی بربادی کے ساتھ اس کھیل کے لوازمات کو پورا کرنے کے لیے اور لوگوں کو رواں تبصرہ سنانے یا دکھانے کے لیے زرِ کثیر صرف کیا جاتا ہے۔ اور جب معاملہ عالمی کپ کا ہو تو معاملہ کی سنگینی میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ ورلڈ کپ کرکٹ ٹورنامنٹ کے دوران حکومت، اخبارات اور عوام کی طرف سے جس طرح کی سرگرمیاں دیکھنے میں آتی ہیں، وہ ہماری بے حسی اور بے شرمی کا عریاں اظہار ہے۔ حکومت کا معاملہ تو یہ ہے کہ وہ عوام کی توجہ اصل مسائل سے ہٹا کر غیر ضروری امور کی طرف مبذول کرانا چاہتی ہے۔ بقول اقبال ؎

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات کے ذریعے ورلڈ کپ کی غیر ضروری تشہیر کی انتہا کر دی جاتی ہے۔ عوام کی توجہات کا رخ ورلڈ کپ کی طرف کر کے اصل مسائل سے ہٹایا جاتا ہے۔ اخبارات میں قوم کے ان سپوتوں کو ہیرو اور سپر اسٹارز کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جن کی غیر اخلاقی حرکات، شراب نوشی اور جنسی بے راہ روی کا معاملہ قوم سے پوشیدہ نہیں۔ کھلاڑیوں کے انٹرویوز، ذاتی حالات، معاشقے اور ازدواجی زندگی سے متعلق غیر اخلاقی باتیں نمایاں کی جاتی ہیں۔ سرکاری اور نجی چینل اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔

جہاں تک عوام کا تعلق ہے تو وہ بھی پکار پکار کر کہتے ہیں کہ ''میں تو دیوانی، کرکٹ کی دیوانی''۔ اہم میچوں کے دوران اسکولوں، کالجوں، دفاتر اور کاروباری مراکز میں حاضری نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ لوگ پورا پورا دن کرکٹ کی خاطر برباد کر کے اس بے حیائی کا مکمل ساتھ دے رہے ہوتے ہیں جو حکومت اور اخبارات نے پھیلا رکھی ہوتی ہے۔

آخر میں ذاتِ باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری قوم کو ہدایت دے، اپنے طرزِ عمل پر غور وفکر کی توفیق مرحمت فرمائے اور اپنی کوتاہیوں پر سچی توبہ کرنے کی سعادت عطا فرمائے۔ لیکن خدانخواستہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے قوم کو بداعمالیوں کی آخری سزا دینے کا فیصلہ فرما ہی لیا ہے تو پھر بڑی عاجزی سے ہر اک کو یہ دعا کرنی چاہیے:

﴿رَبِّ اِمَّا تُرِیَنِّیْ مَا یُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِیْ فِی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۹۴﴾﴾ (المومنون)

''اے پروردگار جس عذاب کا ان (کفار) سے وعدہ ہو رہا ہے، اگر تو میری زندگی میں ان پر نازل کر کے مجھے بھی دکھا دے تو اے پروردگار مجھے (اس سے محفوظ رکھیے اور) ان ظالموں میں شامل نہ کیجیے۔''

انجمن خدام القرآن خیبر پختونخوا کے زیراہتمام جلسۂ سیرت کا انعقاد

شیخ التفسیر مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ کی زیر صدارت ہونے والے جلسہ میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید کے خصوصی خطاب کی اجمالی رپورٹ

انجمن خدام القرآن خیبر پختونخوا کے زیراہتمام 20 فروری 2012ء کو پشاور شہر کے وسط حلیم بینکویٹ ہال میں جلسۂ سیرت کا اہتمام کیا گیا۔ جلسہ کے مہمان خصوصی امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید تھے جبکہ صدر مجلس شیخ التفسیر مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ (شیخ الحدیث جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک) تھے۔ قبل ازیں اس پروگرام کی پوسٹرز، چارٹس اور بینرز کے ذریعے تشہیر کی گئی۔ امیر محترم صبح نو بجے دفتر حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی تشریف لے آئے۔ ناشتہ کے بعد انہوں نے چند ملاقاتیں کیں۔ دوپہر کا کھانا ان کے استاد محترم اور جامعہ امداد العلوم مسجد درویش پشاور صدر کے شیخ الحدیث مولانا الطاف الرحمٰن بنوی کے ساتھ طے تھا۔ دوران طعام اور اس کے بعد اُن سے مختلف دینی امور پر تبادلۂ خیال ہوا۔

پروگرام کا آغاز بعد نماز مغرب نیو ٹاؤن کراچی کے فارغ التحصیل قاری کامران نے تلاوت کلام پاک سے کیا۔ بعد ازاں سٹیج سیکرٹری ناظم حلقہ خورشید انجم نے مہمان خصوصی اور صدر مجلس کو خوش آمدید کہا اور دونوں حضرات کا اس تقریب میں شرکت پر شکریہ ادا کیا اور ساتھ ہی انہوں نے امیر تنظیم اسلامی کو دعوت خطاب دی۔

امیر محترم نے صدر مجلس ڈاکٹر شیر علی شاہ کی آمد پر ان کا شکریہ ادا کیا اور ان کی موجودگی کو اپنے لیے حوصلہ افزائی کا باعث گردانا۔ انہوں نے موضوع کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ذات باری تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین کا خطاب صرف نبی کریم ﷺ کو عطا کیا ہے، کیونکہ ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' کے مصداق ذات باری تعالیٰ کے بعد آپؐ ہی بزرگ ترین ہستی ہیں۔ انہوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ آج رحمۃ للعالمینؐ کی اُمت رحمت الٰہی سے محروم ہے۔ آج ہم سب سے زیادہ کرپٹ، خائن اور ذلیل وخوار ہیں۔ انہوں نے کہا کہ رسول خدا ﷺ کی رحمت کے مظاہر قرآن حکیم میں تین مقامات پر بیان ہوئے ہیں، سورۃ الصف، سورۃ التوبہ اور سورۃ الفتح میں۔ آپؐ کی رحمت کا ایک بہت بڑا مظہر الہدیٰ یعنی قرآن حکیم ہے، جو ہدایت کا کامل ترین ایڈیشن ہے، اور دوسرا دین حق ہے۔ آپؐ کا مشن اللہ کے دین کو غالب کرنا تھا۔ یہ مشن سرزمین عرب کی حد تک مکمل ہو چکا ہے، تاہم اتمامی شان کے ساتھ اس مشن کی تکمیل اُس وقت ہوگی جب اسلامی نظام کل روئے ارضی پر غالب ہوگا۔ پھر آپؐ کی رحمۃ للعالمینی کا سب سے بڑا مظہر نظام عدل کی صورت میں سامنے آئے گا اور دنیا اس کے ثمرات دیکھے گی۔ اللہ کے نبی ﷺ نے دین حق کو عرب کی حد تک قائم فرما کر اور قیصر روم کو خط لکھ کر بیرون عرب اس کے غلبے کی راہ متعین فرما دی۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں دیکھا گیا کہ دین کے غلبے کے نتیجے میں برکات کا نزول ہوا۔ معاشرہ امن وامان اور خوشحالی کی نعمتوں سے مالامال ہو گیا۔ انہوں نے کہا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جہاں بھی اقتدار ملتا وہ فی الفور وہاں شریعت نافذ کر دیتے، بلکہ جہاں مسلمان آبادی نہیں تھی وہاں پر بھی انہوں نے شریعت نافذ کی۔ مسلمانوں نے طاقت سے کفر کی سرکوبی تو کی، لیکن کسی کو تلوار کے زور پر مسلمان نہیں کیا بلکہ لوگ تو دین وشریعت کی برکات دیکھ کر خود مسلمان ہوئے۔ جب مسلمان کو طاقت مل جائے تو پھر روئے زمین پر دین غالب کرنا لازم ہوگا۔ یہی مسلمانوں کے ایمان کا تقاضا ہے۔ ان کے لیے شہادت کو مطلوب ومقصود ہونا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ ہم ایک خاص مشن کے ساتھ بھیجے گئے ہیں، یعنی نوع انسانی کو کفر وشرک کے اندھیروں اور غیر اللہ کی حاکمیت پر مبنی ظالمانہ واستحصالی نظام کے جبر سے نکال کر اللہ کے نظام کے سائے میں لائیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریقہ یہ تھا کہ لوگوں کو ایمان کی دعوت دیتے کہ اسلام لاؤ، یا اس کے نظام کے تحت چھوٹے بن کر رہو، روئے زمین پر غلبہ اللہ کے نظام کا ہوگا اور اگر اسلام کی سربلندی ماننے سے انکار کرتے ہو تو پھر ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ تلوار کرے گی۔ انہوں نے کہا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر آخرت پر تھی۔ جہاں جہاں اللہ نے ان کو پہنچایا وہاں انہوں نے اللہ کا نظام اور شریعت نافذ کی۔ اسلامی ریاست کی حدود میں جان، مال اور عزت آبرو کی حفاظت ریاست کی ذمہ داری تھی۔ اس عادلانہ نظام کی وجہ سے کروڑوں لوگ مسلمان ہوئے۔ آج دنیا میں 57 مسلم ممالک ہیں مگر کہیں بھی اللہ کا نظام قائم نہیں۔ جو قوم اللہ کے احسانات کی قدر نہیں کرتی، جو الہدیٰ اور دین حق کے راستے کا اتباع اور اسوہ کاملہ پر عمل نہیں کرتی اس کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ جب ہم اسلامی نظام قائم کریں گے تو پھر دنیا کے سامنے آپؐ کی رحمۃ للعالمینی کا مظہر نظام عدل کی صورت میں سامنے آئے گا۔ اسی نظام سے منکرات کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ شریعت کے نفاذ ہی سے برائیوں سے پاک ماحول بنے گا اور آخرت کی کامیابی کی راہ ہموار ہوگی اور دنیا بھی جنت کا نمونہ بنے گی۔ تب حکمران عوام کے آقا نہیں ہوں گے، خادم اور اُن کے حقوق کے محافظ ہوں گے۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا کہنا تھا کہ اگر دریائے فرات کے کنارے ایک کتا بھی بھوکا مر گیا تو عمر اُس کی موت کا جواب دہ ہوگا۔ امیر تنظیم اسلامی نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ آج اس عادلانہ نظام کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہم خود بنے ہوئے ہیں۔ ضرورت اِس بات کی ہے کہ ہم اس نظام کو اپنے ہاں قائم کریں، تب ہی ہم اسے باقی دنیا میں بھی ترقی دے سکتے ہیں۔ اگر ہم اسے خود اپنے ہاں نافذ نہیں کرتے تو پھر دنیا کو کس طرح اس کا نقشہ دکھا سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ نبی آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے وفا کا طریقہ یہ ہے کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے vision کو لے کر آگے بڑھیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تیس سالوں میں اس دین کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا اور ہم نے اس کا حال یہ کر دیا ہے کہ آج دنیا کے کسی ایک خطے میں بھی یہ غالب اور قائم نہیں۔

امیر محترم کے خطاب کے بعد صدر مجلس ڈاکٹر شیر علی شاہ کو دعوت خطاب دی گئی۔ انہوں نے مختصر گفتگو میں امیر محترم کی تقریر کو اپنے دل کی آواز کہا۔ آخر میں صدر مجلس کی دعا سے اس جلسۂ سیرت کا اختتام ہوا۔

(رپورٹ: رفیق تنظیم)

China and Israel are all models of justice, civil liberties and economic egalitarianism. If the shared memories of the past make a historic community, the easiest way to erase the sense of its identity would be to alienate its members from their past; hence this ferocious debasement of Muslim history.

Little may one conceal that all forms of ideology can act and sustain the rationale of statehood: capitalism succeeds in USA, communism in the USSR, secularism in India, Zionism in Israel, patriotism in France, tribalism everywhere else. Not only is a universal Muslim state possible, it is likely to enhance the cause of world-peace as well. In fact, by the re-entry of Muslims, the historic ledger of civilizations will finally be balanced. Surely, nothing logical stands in the way of Muslim unity. Our intellectuals, thus, must evolve a realistic discourse in which the future of the Muslims as a global polity may be seriously deliberated. **The ideal of one Ummah under the leadership of one Imam and Khalifah must not be buried prematurely; it is not yet dead!**

(Excerpted from "*Afkar* ***Inquiry***" London, December 1986)

ڈاکٹر رفیع الدین فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام

ڈاکٹر محمد رفیع الدین (مرحوم) کی معروف کتاب

قرآن اور علمِ جدید

کا ساتواں ایڈیشن شائع ہوکر منظر عام پر آ گیا ہے

کتاب کا موضوع

''قرآن اور علم جدید'' ڈاکٹر صاحب کی ایک معرکۃ الآراء تصنیف ہے جو درحقیقت علامہ اقبال کی کتاب ''خطبات'' ہی کے سلسلے کی ایک دوسری کامیاب کاوش ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے ناقابل تردید حقائق، دلائل اور مثالوں سے ان تمام فلسفوں اور نظریات کے تار و پود بکھیر دیے ہیں جن کی بنیاد پر آج تک مختلف ممالک میں نظام ہائے حکومت قائم رہے ہیں۔

☆ عمدہ طباعت ☆ خوبصورت ٹائٹل کور ☆ اعلیٰ جلد بندی

☆ 583 صفحات ☆ قیمت 650 روپے

ڈاکٹر محمد رفیع الدین (مرحوم) کی درج ذیل تصانیف بھی دستیاب ہیں:

(1) Ideology of the Future Price: Rs.500/-

(2) The Quran & Modern Knowledge Price: Rs.500/-

(قرآن اور علم جدید کا انگریزی ترجمہ)

ہول سیلرز، پبلشرز اور بک سیلرز کے لیے خصوصی تعارفی قیمت

ملنے کا پتہ: ڈاکٹر رفیع الدین فاؤنڈیشن

36-K، ماڈل ٹاؤن، لاہور، فون: 042-35074598

ڈسٹری بیوٹر: پروگریسو بکس، اردو بازار، لاہور، فون: 042-37352795

قرآن حکیم کی عظمت، تعارف اور حقوق و مطالبات جیسے علمی و عملی موضوعات پر 8 کتابوں کا مجموعہ

قرآن حکیم اور ہم

از ڈاکٹر اسرار احمدؒ

دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ تقریباً 500 صفحات پر مشتمل فکر انگیز تالیف

خود پڑھیے۔ دوسروں کو تحفہ بھی دیجیے!

اشاعت خاص (مجلد):

امپورٹڈ آفسٹ پیپر، قیمت: 400 روپے

اشاعت عام (پیپر بیک):

امپورٹڈ بک پیپر، قیمت: 250 روپے

عنقریب زیور طبع سے آراستہ ہو رہی ہے

اپنے آرڈر سے مطلع فرمائیں

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

فون: 042-35869501-3

maktaba@tanzeem.org

النصر لیب An ISO 9001:2008 QMS Certified Lab.

ایک ہی چھت کے نیچے معیاری ٹیسٹ، ڈیجیٹل ایکسرے، ای سی جی اور الٹراساؤنڈ کی جدید اقسام، کلرڈ اپلر، 4-D، T.V.S، ایکوکارڈیوگرافی، Lungs Function Tests اور Digital Dental (OPG) X-Ray کی سہولیات

ہیپاٹائٹس بی اور سی کے بڑھتے ہوئے امراض کے پیش نظر عوام الناس کے لیے کم قیمت میں ٹیسٹ کروانے کی سہولت

خواتین کے لیے لیڈی الٹراسونولوجسٹ کی سہولت مہیا کر دی گئی ہے۔

خصوصی پیشکش

مکمل میڈیکل چیک اپ

الٹراساؤنڈ (پیٹ)، ایکسرے (چیسٹ) ای سی جی، ہیپاٹائٹس بی اور سی کے ٹیسٹ (Elisa Method)، مکمل بلڈ، اور مکمل یورن، بلڈ گروپ، بلڈ شوگر، جگر، گردے، دل اور جوڑوں سے متعلقہ متعدد بلڈ ٹیسٹ شامل ہیں۔

صرف -/3500 روپے میں

تنظیم اسلامی کے رفقاء اور ندائے خلافت کے قارئین اپنا ڈسکاؤنٹ کارڈ لیبارٹری سے حاصل کریں۔ ڈسکاؤنٹ کارڈ کا اطلاق خصوصی پیکج پر نہیں ہوگا

نوٹ: لیب اتوار اور عام تعطیلات پر کھلی رہتی ہے

B-950 فیصل ٹاؤن، مولانا شوکت علی روڈ نزد راوی ریسٹورنٹ لاہور

Ph: 3 516 39 24, 3 517 00 77 Fax: 3 516 21 85

Mob: 0300-8400944, 0301-8413933 E-mail: info@alnasarlab.com

S. Parvez Manzoor

BURYING A LIVING IDEAL

Some five hundred years ago, the world started slipping out of Muslim hands. Today, it belongs to the super-powers of every other variety but Muslim: the Capitalistic-Christian, the atheistic-Russian, the secularist-Hindu, the Confucianist-Chinese, the Zionist-Judaic. Undoubtedly, the greatest losers of the technicalisation of the world have been the Muslims. The winds of change have blown away all traces of their former splendour. That the only way they can regain some of it is by coalescing into a sizeable polity and by organizing themselves under some super-state goes without saying. To suggest this however evokes instant retorts, both internal and external. That outsiders would want to block this course of future Muslim history is understandable. What is less convincing is the Muslim's own difference before the prospects of the restoration of his human rights.

Any cursory look at the contemporary world, however, is sufficient to dispel any illusion of self-doubt created by the propagandic spells of foreign ideologies. In the making of a super-power, one must remember the size of its polity is as crucial as is the ability to out-kill and out-produce other smaller states. Hence, even poor countries like India and China may join the league of the titans in a way that second-rank states like Britain and France may not. The sheer weight of numbers clearly has a say in the shaping of a super-power. Numbers, of course, do not mean all: the ability to outgun your neighbours is another requisite. Thus, the military mega-machine Israel may behave as a mini super-power and regional bully in manner that is denied to economic giants like Japan and West Germany. Surely, the Chinese-Indian option is not impossibility for the Muslims.

None of the modern super-powers, moreover, is racially, ethnically or even linguistically and culturally homogeneous. Indian diversity is more forbidding and real than all the imaginary Muslim differences. The USSR stretches over areas and encompasses peoples, nations, faiths etc. that can out-match anything attained by the Baghdadian Caliphate. What sustains these heterogeneous polities is the power of the centralized state and the political will of the ruling class. Muslims, who have a greater claim to cultural uniformity than any of the super-states and whose majority also inhabit a single mass of land stretching from Morocco to Pakistan, can quite easily adjust themselves to a unitary political set-up. Only the weakness of their political will stands in the way of their becoming a super-power.

The historic loss of Muslim political will is constantly replenished by the export of destabilizing ideologies. Muslims, we are made to believe, are Arabs, Persians, Turks, Kurds; they are Egyptians, Pakistanis, Iraqis, even socialists, modernists, liberals, before being Muslims. In short, they are everything else but Muslims. Complementary to this ideological kill is the forcible dismemberment of Islamdom into ever smaller and easily digestible political morsels. Even Egypt and Sudan; Pakistan and Bangladesh; Afghanistan and others have been heirs to the fate of the Ottomans. On a more psychological plane, Muslim history is made the object of intensely fanatical polemics. It is made to appear that all Muslim rulers were tyrants and all Islamic rules despotic. Compared to Islam, the USA, USSR, India,